اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

تحفۃ الخطیب



مؤلف

فاروق عبداللہ صاحب گنجی

سلفی دارالاشاعت (دہلی)

BVP-988-14/12/16
(4) 910- 5/15

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

تحفۃُ الخطیب

مؤلف

فاروق عبداللہ صاحب گنجی

سلفی دارالاشاعت (دہلی)

نام کتاب	:	تحفۃ الخطیب
تالیف	:	فاروق عبداللہ صاحب گنجی
سن اشاعت	:	جنوری ۲۰۱۱ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار
طابع وناشر	:	سلفی دارالاشاعت دہلی
صفحات	:	88
قیمت	:	-/60 روپے

سلفی دارالاشاعت دہلی

SALFI DARUL ISHAAT, Delhi

فہرست مضامین

نمبر شمار	اسمائے مضامین	صفحہ
1	عرض مؤلف	5
2	تأثرات مولانا عبدالغنی فیضی سلفی حفظہ اللہ	7
3	اسلام اور رواداری	9
4	جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں	14
5	اسلامی جہاد اور دہشت گردی	20
6	فتنۂ جنگ وجدل تقلید سے پیدا نہ کر	24
7	اسلام میں عورت کا مقام	31
8	سلام۔ محبت کا پیغام	35
9	اسلام میں نماز کی اہمیت	39
10	اشکہائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	45
11	رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے آنسو	49
12	خطبۂ جمعہ: ماہ رمضان اور روزہ	53
13	خطبۂ ثانیہ	64
14	خطبۂ عیدالفطر	65
15	خطبۂ عیدالاضحیٰ	70
16	جمہوریت	83
16	ایمان بالرسول اور اس کے تقاضے	86

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مؤلف

ان الحمد لله وحده و الصلاة و السلام على من لا نبى بعده و اشهد ان لااله الاالله و حده لاشريك له و أ شهد أن محمد اعبد ہ و رسوله امابعد۔

"**تحفة الخطیب**" دراصل ان اصلاحی موضوعات پر مشتمل تقریری مضامین کا مجموعہ ہے جو راقم الحروف نے اپنے زمانہ طالب علمی میں جماعت خامسہ سے لیکر اب تک اپنے لئے ،احباب کی خاطر اور بعض مخلص اساتذہ کے حکم کی تعمیل میں ترتیب دیا تھا۔

جمعیۃ الطلبہ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے ہفتہ واری جلسوں میں چونکہ طلبۂ جامعہ ورفقائے جماعت نے ان تقاریر کو شرف قبولیت سے نوازا اور پسندیدگی کا اظہار کیا۔اسلئے افادۂ عام کی غرض سے ان تقاریر کو ضروری تہذیب وترتیب کے بعد استاذ گرامی فضیلۃ الشیخ جناب مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی حفظہ اللہ شیخ الجامعہ الاسلامیہ فیض عام مئو وفضیلۃ الشیخ جناب مولانا عبدالغنی فیضی سلفی حفظہ اللہ استاذ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو کی نظر ثانی کے بعد شائع کیا جارہا ہے۔

چونکہ راقم اثم ایک نو آموز صاحب قلم ہے اور یہ اس کی اولین قلمی کاوش کا مجموعہ ہے۔ اس لئے بیشتر خطاؤں کا امکان ہے۔ پر اہل علم کی خدمت میں مخلصانہ عرض ہے کہ ان تحریروں کو پڑھ کر کسی طرح کی خردہ گیری کے بجائے اپنے مفید مشوروں سے نوازیں گے اور اصلاح فرمائیں گے۔اللہ تعالیٰ ہر ایسے علم دوست کو ان کے خلوص وخیر خواہی کا اجر جزیل عطا فرمائے۔

نیز قارئین کرام سے التماس ہے کہ راقم کو اپنی دعاؤں میں شامل رکھیں گے۔

بارگاہ الٰہی میں عجز ونیاز کے ساتھ یہ التجا ہے کہ اس حقیر دینی واصلاحی کاوش کوقبول فرمائے اور اسے راقم اور اس کے والدین اور جملہ اساتذہ کرام کیلئے ذخیرہ آخرت بنائے۔

آمین یارب العالمین۔

فاروق عبداللہ بن مولانا محمد اشرف الحق رحمانی

متعلم :۔دورۂ حدیث / جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو، یوپی

۲۰۰۶/۹/۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تأثرات

فضیلة الشیخ جناب مولانا عبدالغنی فیضیؔ سلفیؔ حفظه الله

استاذ ادب وحدیث جامعه اسلامیه فیض عام مئو ناتھ بھنجن ،یوپی

"تحفة الخطیب" مختلف دینی واصلاحی پر موضوعات پر مشتمل خطبات کا مجموعہ ہے، جو اپنے اختصار وایجاز کے ساتھ جامعیت کا حامل ہے۔ انداز بیان واضح اور متین ہے۔ یہ تمام مسلمانوں بالخصوص طلبۂ مدارس کے استفادے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود مؤلف کتاب کے اصرار پر اس کے قلم سے نکلے ہوئے یہ تمام مضامین احقر نے پڑھنے کے بعد مذکورہ رائے قائم کی ہے۔

یہ مجموعۂ مضامین ''بقامت کہتر وبقیمت بہتر'' کے مصداق ہے۔ اس کتاب کے مؤلف عزیز گرامی فاروق عبداللہ جھارکھنڈ کے باشندے، جامعہ فیض عام کے ذی استعداد و محنتی طلباء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ عمدہ صلاحیت کے مالک ہیں اور درسی کتابوں کے ساتھ ساتھ خارجی کتابوں کے مطالعہ سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ نیز تقریر وخطابت سے بھی ان کو عمدہ مناسبت ہے۔ اسلئے صحافت وخطابت دومیدان میں ان کی کامیابی کے امکانات روشن معلوم ہوتے ہیں۔ خدا کرے ان کے فکر عمل کے دھارے صحیح سمت میں جاری رہیں۔ یہ کتاب ایک محنتی طالب علم کی تحریروں کا نقش اول ہے۔ امید ہے کہ آئندہ بہتر نقش ثانی وجود میں آئیگا۔ بشرطیکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ زریں نصیحتیں ہمیشہ پیش نظر رہیں وہ فرماتے ہیں۔

اخی لن تنال العلم الابستة ۔۔۔ سأ نبیک عن تفصیلها ببیان
ذکاء وحرص و اجتهاد و بلغة ۔۔۔ وارشاد استاذ وطول زمان

وہ یہ بھی فرماتے ہیں ۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی ۔۔۔ فاوصانی الی ترک المعاصی

اللہ رب العزت ہم سب کو اپنے سایۂ عاطفت میں رکھے

آمین یارب العالمین

احقر العباد

عبدالغنی عبدالرحمٰن

۱۲؍ستمبر ۲۰۰۶ء بروز منگل

۱۸؍شعبان ۱۴۲۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام اور رواداری

ان الحمدلله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده واشهد ان لا اله الاالله وحده لاشريك له واشهد ان محمداعبده ورسوله امابعد:

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم.

﴿ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوا بغير علم﴾(۱)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(یاایھاالناس ان ربکم واحد و ان ابا کم واحد کلکم لا دم و ادم من تراب ان اکرمکم عندالله اتقاکم ولیس لعربی علی عجمی ولالعجمی علی عربی ولالاحمر علی ابیض ولا لابیض علی احمرفضل الابالتقوی)(۲)

لائق صداحترام صدرصاحب، معزز مہمانان گرامی اور دینی وملی بھائیو! آج کی اس مبارک محفل میں میں نے جس موضوع سخن کا انتخاب کیا ہے، وہ ہے ''اسلام اور رواداری''

بزرگوں اور دوستو واسلامی بھائیو! اسلام کی وہ روشن تعلیم جس نے ہمیشہ اغیار کے دل ودماغ پر فاتحانہ حکمرانی کی ہے اور انہیں اپنا گرویدہ بنایا ہے، وہ سبھی قوم ومذہب اور انسانیت کے ہر طبقہ کے ساتھ رواداری ہے۔ انسان چاہے جس مذہب کا بھی ماننے والا ہو پیار اور محبت کا بھوکا ہوتا ہے، رواداری کا خواہاں ہوتا ہے، نیز

﴿کل حزب بمالديهم فرحون﴾(۳)

۱۔سورۃ الانعام۔۱۰۹، ۲۔مسند احمد ج۵ ص۴۱۱، ۳۔سورۃ المومنون۔۵۳

کے مطابق ہر ایک کو اپنا مذہب ومعبود پیارا ہوتا ہے، انکے خلاف نازیبا کلمات کو کسی بھی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا اس سے ان کی انا کو چوٹ پہنچتی ہے اور ان کی عزت نفس کو دھکا لگتا ہے۔ اسلام نے انسان کی اسی ذہنی ساخت کا استعمال کیا اور سختی سے اپنے متبعین کو اس بات کی تاکید کی کہ

﴿لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم﴾

اللہ کے سوا جو غیروں کی پرستش کرتے ہیں تم انکو برا بھلا نہ کہو ورنہ عداوت ونادانی میں وہ اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہیں گے۔ بس ہر ایک کے ساتھ رواداری کی تعلیم دی اور یہ اصول جاری کیا کہ ﴿لکم دینکم ولی دین﴾ (۴)

اسی رواداری کا نتیجہ تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی لوگ اس کی طرف مائل ہونے سے اپنے آپ کو روک نہ سکے اور اپنے گلے میں اسلام کا قلادہ ڈالنے پر مجبور ہوگئے۔ کیونکہ اسلام کے علاوہ دیگر تمام اقوام و مذاہب نے رواداری کے بجائے تنگ نظری اور فراخ دلی کے بجائے قساوت قلبی کا طریقہ اپنایا۔ عرب اپنے مقابلہ میں پوری دنیا کو گونگی سمجھتے تھے، نصاری کی یہود کے نزدیک کوئی وقعت وحیثیت نہیں اور یہود نصاری کو پھوٹی آنکھ نہیں بھاتے قرآن نے ان کے دعوؤں کو نقل کیا ہے

﴿قالت الیہود لیست النصاری علی شئی وقالت النصاری لیست الیہود علی شئی﴾ (۵)

چنانچہ یہ پوری دنیا کے مقابلے صرف اپنے ہی کو نجات یافتہ شمار کرتے اور کہتے تھے۔

﴿لن یدخل الجنۃ الامن کان ھودا اونصاری﴾ (۶)

اسلام آیا تو اس نے کسی بھی مذہب کی تکذیب نہیں کی بلکہ ہر ایک کی فی الجملہ تصدیق کی، ان کے ساتھ رواداری کے پہلو کو روا رکھا اور اپنے ماننے والوں کو حکم دیا کہ:

﴿قولوا اٰمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم و اسمٰعیل و

۴۔ سورۃ الکافرون۔۶، ۵۔ سورۃ البقرہ۔۱۱۳، ۶۔ سورۃ البقرہ۔۱۱۱،

اسحٰق و یعقوب و الا سباط و ما اوتی موسیٰ وعیسی وما اوتی النبیون من ربھم لانفر ق بین احد منھم ونحن له مسلمو ن﴾(۷)

الغرض اسلامی تعلیمات کاایک درخشندہ پہلو اور روشن باب یہ ہے کہ اس نے ہر مذہب کے ماننے والوں اورانکے مقامات مقدسہ کے تقدس واحترام کو باقی رکھااور

﴿ولو لا دفع الله الناس بعضھم ببعض لھد مت صوامع و بیع و صلوات و مساجد یذ کر فیھا اسم الله کثیرا﴾(۸)

کافرمان جاری کرکے مذہبی رواداری کی ایک ایسی انوکھی مثال پیش کی جسکی نظیر دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے نیز

﴿ لا اکراہ فی الدین﴾(۹)

اور﴿ افانت تکرہ الناس حتی یکو نو امو منین ﴾(۱۰)

کافرمان جاری کرکے دعوت وتبلیغ کیلئے بھی ایسے فارمولے کوملحوظ خاطر رکھا جس سے پوری انسانیت کے تئیں اسلامی رواداری کی ... ابھر کرسامنے آتی ہے نیز جوروظلم اور جبرواکراہ سے کوسوں دورالفت ومحبت،اخوت وبھائی چارگی اور خیرسگالی ورواداری کا پہلو غالب نظرآتا ہے۔اور یہ صرف کتابی باتیں اور کاغذی دعوے نہیں ہیں بلکہ واقعات ان کی تصدیق کرتے ہیں چنانچہ نبی اکرمﷺ کا یہودیوں سے معاہدہ کرنا،عیسائیوں کواپنے طریقہ پرمسجد نبوی میں نمازاداکرنے کی کھلی چھوٹ دینا،مسلمان اور یہودی کا مقدمہ پیش ہونے پر

﴿ لا یجرمنکم شنان قوم علی ان لاتعد لوا﴾(۱۱)

کے تحت یہودی کے حق میں فیصلہ دینا،صلح حدیبیہ میں کفارمکہ سے کم سے کم شرائط پر صلح کرنا اور امن وامان بحال رکھنا اس کی جیتی جاگتی مثال ہے۔انہی مذہبی واخلاقی رواداریوں کا نتیجہ تھا کہ جن مٹھی بھر مسلمانوں کو کفارمکہ نے مدینہ ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا

۷۔سورۃ البقرہ۔۱۳۶ ۸۔سورۃ الحج۔۴۰، ۹۔سورۃ البقرہ۲۵۶،

۱۰۔سورۃ یونس۔۹۹ ۱۱۔سورۃ المائدۃ۔۸،

آٹھ سال بعد جب وہی قوم مکہ میں فاتحانہ قدم رکھتی ہے تو ان کی تعداد ایک لاکھ سے زائد ہو چکی ہوتی ہے فاتح سندھ محمد بن قاسم نے جب اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ سندھ کی سرزمین پر قدم رکھا تو کسی کو اتنی بڑی کامیابی کی امید نہیں تھی لیکن دشمنوں کے سامنے مذہبی واخلاقی رواداری کے ایسے ایسے نمونے پیش کئے کہ جب سندھ سے واپس لوٹنے لگے تو وہاں کا کوئی ایسا جوان بوڑھا، بچہ نہ تھا جس کی آنکھیں نم نہ ہوئی ہوں۔

برادران قوم وملّت !اسلام کے علاوہ دیگر عالمی تہذیبوں میں قوم و مذہب اور رنگ ونسل کی تفریق کی وجہ سے انسانیت ہمیشہ کراہتی رہی ہے۔چنانچہ کالوں پر گوروں کا تشدد ہر زمانہ میں روا رہا ہے، امریکہ کی بیس ریاستیں ایسی ہیں جن میں سیاہ فام لوگوں کو سفید فام لوگوں کے اسکولوں و مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں۔ٹرین، بس، ٹیلی فون بوتھ حتی کہ اسپتالوں کے پاگل خانوں میں بھی کالے اور گوروں میں امتیاز برتا جاتا ہے، راشٹر پیتا مہاتما گاندھی کو جنوبی افریقہ میں ٹرین میں گوروں کے ساتھ بیٹھنے کے جرم میں چلتی ٹرین سے اتار دیا گیا تھا۔اس کے برعکس اسلام نے

"الناس کلهم عیال فاحبهم الیه انفعهم لعیاله" کا اصول قائم کیا اور ﴿یاایهاالناس ان ربکم واحد و ان ابا کم واحد کلکم لا دم و ادم من تراب ان اکرمکم عندالله اتقاکم ولیس لعربی علی عجمی ولالعجمی علی عربی ولالاحمر علی ابیض ولالا بیض علی احمر فضل الا بالتقوی﴾(۱۲)

کہہ کر رنگ ونسل کی تفریق کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا اور اس پر عملی جامہ پہناتے ہوئے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو خانہ کعبہ کے اوپر چڑھ کر اذان دینے کا موقع فراہم کیا، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ایک سیاہ فام شخص تھے لیکن جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے قبطی رہنما مقوقس سے بات چیت کرنے کیلئے ایک وفد بھیجا تو انہیں کو اسلامی وفد کا سربراہ مقرر کیا، مشہور تابعی عطاء بن ابی رباح جو کہ سیاہ فام، لنگڑے اور چپٹی ناک وحلقہ

۱۲۔ مسند احمد ج ۵ ،ص ۴۱۱

دار بالوں والے بدشکل انسان تھے لیکن حج کے موسم میں خلیفہ عبدالملک بن مروان اعلان کراتے تھے کہ عطاء بن ابی رباح کے علاوہ اور کوئی فتوی نہ دے۔

یہ تھی اسلام اور مسلمانوں کی وہ رواداری جس نے کراہتی و سسکتی اور دم توڑتی انسانیت کا تحفظ کیا، انہیں ہر طرح کی مذہبی، قانونی اور فکری آزادی دی اور اپنی اعلی تعلیمات سے پوری انسانیت کو ایک پرامن جنت نما معاشرہ بنادیا۔

آخر میں اللہ تعالی سے یہ التجا کروں گا کہ۔

میں بلبل نالاں ہوں ایک اجڑے گلستاں کا تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے

آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

❖❖❖

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں

ان الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ امابعد

فاعوذباللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون﴾(۱)

وقال النبی ﷺ ﴿الاسلام یعلو ولا یعلی علیہ﴾ (۲)

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

لائق صد احترام صدر مجلس، محترم حاضرین، بزرگو، دوستو اور اسلامی بھائیو! آج کی اس پر رونق علمی مجلس میں آپ حضرات کے سامنے میں نے جس موضوع سخن کا انتخاب کیا ہے وہ ہے ''جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں''۔

برادران اسلام! باطل پرستوں کا ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ جب جب اسلام اور اہل ایمان کا ظہور ہوا، اس فرش گیتی پر اس کا بول بالا ہوا، ایوان باطل میں اسے صفحۂ ہستی سے مٹانے اور نیست و نابود کرنے کی ناکام اسکیمیں تیار ہوتی رہیں اور ناپاک منصوبے بنائے جاتے رہے، اہل ایمان کو گرداب بلا میں پھنسایا گیا، نوع بنوع مصائب ومظالم کا نشانہ بنایا گیا۔ کبھی جلاوطنی پر مجبور کیا گیا تو کبھی ان کا قتل وخون کیا گیا اور کبھی قید وبند سے نوازش کی گئی تاکہ خورشید اسلام ہمیشہ کیلئے دنیا سے ختم ہوجائے۔ لیکن نظام الٰہی ﴿وانتم الاعلون﴾(۳) اور فرمان رسول ﴿الاسلام یعلو ولا یعلی علیہ﴾(۴)

---

(۱) سورۃ الصف۔ ۸،   (۲) رواہ الدارقطنی والبیہقی فی سننہ وحسنہ الالبانی فی الجامع الصغیر۔ ص ۵۳۸

(۳) سورۃ آل عمران۔ ۱۳۹   (۴) رواہ الدارقطنی والبیہقی فی سننہ وحسنہ الالبانی فی الجامع الصغیر۔ ۵۳۸

کے مطابق ہر زمانہ اور ہر دور میں ؎

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

چنانچہ بنی اکرم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے بعد ہی سے اسلام دشمنی کے تار و پود بنے جاتے رہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثاروں پر عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا، شعب ابی طالب کا سہ سالہ کرفیو نافذ کیا گیا، بھوک کی شدت سے مسلمانوں کو درختوں کی چھال اور پتیاں بھی ہضم کرنی پڑیں۔ آخر کار نصرت الٰہی جلال میں آئی اور اہل ایمان کو حیات ثانیہ نصیب ہوئی، اسلام کی اشاعت خفیہ طور پر احباب و اقارب کے درمیان جاری رہی، مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا، اہل ایماں سکھ اور چین کی آزاد فضا میں سانس لینے لگے، دشمنان اسلام کو برداشت نہ ہوا مصائب ومظالم کا گریڈ دوگنا کردیا، انہیں تپتی ریتوں پر لٹایا، جلتے کوئلوں کے نذر کردیا، مکہ کے گلی کوچوں، میدانوں اور محلوں میں انہیں پابند طوق و سلاسل بنا کر گھسیٹا، چٹائیوں میں لپیٹ کر دھوؤں کے حوالے کردیا، زندہ قتل کرڈالا۔ آخر کار امام کائنات جناب محمد ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو ملک حبش کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ اس طرح مکہ کے اندر اسلام کا ٹمٹماتا چراغ ارض حبشہ میں نیر تاباں بن کر ابھرا سچ ہے ؎

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

ملت اسلامیہ کے پاسبانو! مسلمانوں کی اس عظیم کامیابی اور اپنی ناکامی سے دشمنان اسلام بوکھلا گئے اور حسرت وندامت سے کف افسوس ملتے رہے، تب مکہ میں بچے کھچے مسلمانوں پر یورش و یلغار کا بازار گرم کردیا، درندگی و سفاکیت کو اس قدر فروغ دیا کہ مسلمانوں کیلئے مکہ میں رہنا دشوار ہوگیا اور رحمت کائنات ﷺ کو ہی نعوذ باللہ قتل کرنے کیلئے آپ کے دولت کدہ کا محاصرہ کرلیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسکی اطلاع دی اور ہجرت مدینہ کا حکم دیا۔ آپ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیکر مدینہ کی طرف نکل پڑے اور پھر مدینہ میں اسلام کی اس قدر نشر واشاعت ہوئی کہ مسجد نبوی تنگی داماں کا شکوہ کرنے لگی، اہل ایماں افق عالم پر نیر تاباں و درخشندہ ستارے کی طرح چمکنے لگے، سچ کہا ہے کسی شاعر نے

جتنا ہی ترا شو گے اتنا ہی بڑا ہو گا
اسلام وہ پودا ہے کا ٹو تو ہرا ہو گا

چنانچہ جس طرح مکہ میں نبی ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی ٹھیک اسی طرح مدینہ میں بھی سلام بن مشکم کی بیوی زینب نے آپ کو کھانے میں زہر ملا کر مارنے کی کوشش کی لیکن

﴿ومکروا ومکر الله والله خیر الماکرین﴾ (۵)

کے تحت اللہ رب العزت نے اپنے نبی کو ان کی سازش سے بچالیا، جنگ احزاب کے دوران جب امام کائنات رحمۃ للعالمین ﷺ ایک معاملہ کے سلسلہ میں بنونضیر کی بستی میں تشریف لے گئے تو عمرو بن مجاش نضری یہودی نے قلعہ کی دیوار سے پتھر گرا کر آپ کو ہلاک کرنے کی سعی نامسعود کی لیکن ''جا کو را کھے سائیاں مار سکے نہ کوئی''۔ اس کی ترجمانی شاعر مشرق علامہ اقبال نے کیا خوب کیا ہے۔

نور حق شمع الٰہی کو بجھا سکتا ہے کون ؟
جس کا حامی ہوا خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون ؟

برادران قوم وملت! آخر کار ایک ایسا وقت بھی آیا کہ جس مکہ سے نبی ﷺ اور آپکے مٹھی بھر جاں نثاروں کو نکالا گیا تھا، ان پر معاشی واقتصادی پابندیاں لگائی گئیں تھیں، آٹھ سال بعد اسی مکہ کی سرزمین پر اہل ایماں فاتحانہ قدم رکھتے ہیں تو حیرت انگیز طریقے سے ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہو چکی ہے، اطراف ونواحی کے مختلف قبائل ووفود کا قبول اسلام کیلئے تانتا لگا ہوا ہے اور

﴿جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل کان زهوقا﴾ (۶)

---

۵ سورۃ آل عمران۔۵۴　　۶ سورۃ بنی اسرائیل۔۸۱

کا دلکش منظر سامنے آجاتا ہے۔

معزز و محترم سامعین! یہ تو عہد نبوی کی داستانیں تھیں۔ آیئے ایک قدم اور آگے بڑھائیں اور حالات حاضرہ میں اہل ایمان کی جہانگیری وآفاقیت پر ایک نظر عمیق ڈالیں۔ اگر چہ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ گزشتہ چند سالوں میں اہل ایمان بہت ساری مصیبتوں و آزمائشوں کے نرغے میں محصور رہے ہیں۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ ہونے کے بعد افغانستان کے معصوم و بے گناہ لوگوں کی دلخراش چیخیں، عراق کی لرزہ خیز تباہی، گجرات کے گودھرا کانڈ میں مسلمانوں کی نسل کشی، فلسطینی ولبنانی مسلمانوں پر اسرائیل کی درندگی وسفاکیت، یہ ایسے ناقابل فراموش دردناک واقعات ہیں جن سے کسی طرح چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ لیکن یہ صرف تصویر کا ایک تاریک پہلو ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو انتباہ کیا ہے

﴿ولنبلونکم بشئی من الخوف والجوع ونقص من الا موال والانفس والثمرات وبشر الصابرین﴾(۷)

جب کہ تصویر کا دوسرا درخشاں پہلو یہ ہے کہ ﴿ان مع العسر یسرا﴾(۸)

یعنی مصائب ومشکلات کے باوجود حقیقتاً اسلام کو پس پردہ ترقی ہی نصیب ہوئی ہے اور اس کی حقانیت کو تقویت ملی ہے۔ آج عالمی پیمانہ پر جس مذہب کی سب سے زیادہ نشر واشاعت ہو رہی ہے وہ مذہب اسلام ہے۔ بلکہ غیر معمولی تیزی اور سرعت سے ترقی یافتہ وترقی پذیر ممالک کے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں، جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۳۷۴ھ ہجری میں کوریا میں اسلام کا نام ونشان تک نہ تھا، چودہویں صدی ہجری کے اواخر میں یہاں خورشید اسلام طلوع ہوا اور اب حالت یہ ہے کہ کوریا میں مسلمانوں کی تعداد دس ہزار سے زائد ہے، دنیا کے سب سے ترقی یافتہ ممالک میں سے ایک برازیل ہے، جہاں اٹھارہویں صدی عیسوی میں صرف چند مسلم خاندان تھے اب ان کی تعداد دس ملین سے بھی زائد ہو چکی ہے، عالم اسلام کے بارے میں پرتگالی زبان میں خبریں شائع کی جاتی ہیں اور

---

(۷) سورۃ البقرہ۔ ۱۵۵، (۸) سورۃ الانشراح۔ ۶

تقریباً بیس برازیلی رسالوں واخباروں کے ذریعہ آفتاب اسلام کا جلوہ گھر گھر تک پہنچایا جاتا ہے،حالیہ برسوں میں تقریباً پانچ ہزار برازیلی نوجوانوں نے اسلام قبول کیا ہے، اسپین میں کبھی اسلام پوشیدہ وغیر مرئی تھا آج وہاں پانچ لاکھ مسلمان مثل خورشید ہُویدا ہیں۔صرف آٹھ برس کے عرصہ میں یہاں پانچ ہزار سے زائد اسپینی مشرف باسلام ہوئے ہیں۔

حضرات گرامی! خود امریکہ اس بات سے حیران وپریشان ہے کہ وہ جس مذہب کے خلاف سرگرم عمل ہے۔اس کی جڑیں خود اسی کی زمین میں کیوں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جارہی ہیں؟ آئے دن لوگ اسلام کیوں قبول کرر ہے ہیں؟ اور اب تو گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد حالت یہ ہوگئی ہے کہ یوروپی عوام اسلامی معلومات حاصل کرنے کیلئے بے چین و بیقرار ہیں۔اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امریکہ میں ایک ہفتہ کے اندر تیس ہزار سے زائد قرآن کے نسخے فروخت ہورہے ہیں،اسلام امریکہ کا سب سے پرکشش مذہب بن چکا ہے جس سے ان ممالک کی نیندیں حرام ہوچکی ہیں اور آج تو حالات یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ دنیا کے کسی خطہ میں کوئی پتاّ بھی ہلتا ہے تو امریکہ کو سب سے پہلے اس میں مسلمانوں کا عکس نہیں نقش نظر آتا ہے۔ مجھے ذرا بتاؤ! کہ یہ اسلام اور اہل ایمان کی ہمہ گیر آفاقیت اور غیر مسلموں پر اسلام کی شان جلالی کا ظہور نہیں تو اور کیا ہے؟ نئی دنیا میں اہل ایمان کی صورت میں ایک تازہ آفتاب کا ابھار نہیں تو اور کیا ہے؟ سچ کہا ہے مفکر اسلام علامہ اقبال نے

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

کیونکہ انہیں بخوبی معلوم ہے کہ اگر انہوں نے اسلام کا سنجیدگی سے مطالعہ کرلیا تو ﴿جاء الحق وزهق الباطل﴾ اپنی پوری معنویت کے ساتھ واضح ہوجائے گی اورانہیں ﴿وانتم الاعلون ان كنتم مومنين﴾ کے مصداق بننے سے دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

لہٰذا آج ضرورت ہے کہ قائدین ملت اور وارثین انبیاء اسلام کی صحیح ،خوبصورت،

اور پر کشش تصویر سے ساری دنیا کو روشناش کرائیں۔خاص طور سے جب کہ دنیا اسلام کی معرفت حاصل کرنے کو بے قرار ہے اوراس کی تعلیمات سے آگاہ ہونا چاہتی ہے۔ہمیں ہر ممکن ذرائع سے پوری دنیا میں عموماً و یورپ میں خصوصاً کتابوں، رسائل، جرائد، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور کمپیوٹر وانٹرنیٹ کے ذریعہ اسلامی دعوت کو عام کرنا چاہئے۔اسلئے کہ اگر ایسا کیا گیا تو خلق خدا اپنے مالک حقیقی سے قریب ہوگی، دنیاو آخرت کی سعادت سے دامن مراد بھرے گی اور دشمن دانت پیستے رہ جائیں گے اور ہم یہ کہہ سکیں گے کہ ۔

مسلمان کو مسلمان کر دیا طوفان مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے قلب وقالب کو اسلام وایمان کی حمیت وحمایت کا سچا جذبہ عطا فرمائے۔آمین

تقبل یا رب العالمین و آخرد عو انا ان الحمدلله رب العالیمن ۔

❖❖❖

اسلامی جہاد اور دہشت گردی

ان الحمدللّٰہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ واشھد ان لاالہ الااللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداعبدہ ورسولہ اما بعد

فاعوذ باللّٰہ من ا لشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

﴿قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لایحب المعتدین واقتلو ھم حیث ثقفتموھم واخرجو ھم من حیث اخرجوکم و الفتنۃ اشد من القتل﴾ (۱)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم "لاتقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا صغیرا ولا امرأۃ ولا تغلوا وضموا غنائمکم واصلحوا واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین"(۲)

شہادت ہے مطلوب ومقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

معزز ومکرم صدر، محترم حاضرین مجلس اور دینی وملی بھائیو! آج کی اس مبارک محفل میں میرا موضوع خطاب ہے "اسلامی جہاد اور دہشت گردی"

محترم دوستو اور حضرات گرامی! دور حاضر میں ہم جس ماحول میں جی رہے ہیں لوگوں نے ہمارے ذہنوں پر جہاد کی ایسی تصویر مسلط کر دی ہے کہ یہ لفظ محض جوش جنوں، ظلم وتشدد، دہشت وبربریت اور درندگی وسفاکیت کا ہم معنی ہو کر رہ گیا ہے۔ دہشت گردی کے ساتھ اسلام کے نام کو اس قدر اچھالا گیا ہے کہ عوام کے ذہن میں اسلامی جہاد کا دوسرا نام دہشت گردی بن کر رہ گیا ہے اور یہ تصور ذہن میں مرتسم ہونے لگا ہے کہ عہد رسالت اور زمانہ

---

(۱) سورۃ البقرہ۔ ۱۹۰،۱۹۱ (۲) ابوداؤد

خلافت میں جسے جہاد فی سبیل اللہ کہا جاتا تھا آج کی اصطلاح میں اسی کا نیا نام دہشت گردی ہے۔ مزید برآں یہ کہ غیروں کی بنائی ہوئی اس نئی اصطلاح دہشت گردی سے ہم اس قدر دہشت زدہ ہوگئے کہ جہاد وقتال سے ہی پلہ جھاڑ لئے اور لگے ہر طرف صفائی دینے ومعذرت کرنے کہ حضور! ہمیں جہاد وقتال سے کیا مطلب؟ ہمارا تو اس سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں۔ ہماری یہ حالت اسلئے ہے کہ ہم نے جہاد کی حقیقت کونہیں جانا، اسکی صحیح حیثیت سے واقفیت حاصل نہیں کی اور اسے محض جوش جنوں اور دہشت گردی کا ہم معنی لفظ سمجھ لیا۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتا ہوں کہ جہاد کی صحیح تصویر پیش کرنے کی توفیق دے جس کے بعد ہمارا ذہن ہر طرح کے شکوک وشبہات اور ہر طرح کے خدشات واعتراضات سے پاک وصاف ہو جائے اور اسلامی جہاد ودہشت گردی کا قضیہ دودھ اور پانی کی طرح الگ الگ ہو جائے۔

حضرات! سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام میں انسان کی جان اور اس کا خون بہت ہی محترم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فتنہ وفساد کی بنا پر کسی ایک نفس کے قتل کو اسلام پوری انسانیت کا قتل مانتا ہے اور یہ اصول جاری کرتا ہے کہ

﴿من قتل نفسا بغير نفس اوفسادفی الارض فكانما قتل الناس جميعا﴾ (۳)

اور بار بار اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ **﴿لاتقتلو ا النفس التی حرم الله الا با لحق﴾** (۴)

یہ اصول اسلام نے صرف اور صرف تحفظ انسانیت اور لوگوں میں امن وامان قائم کرنے کیلئے وضع کئے ہیں۔ لیکن اگر کوئی اس تحفظ کو چاک کرے، امن کی جگہ بدامنی پھیلائے، زمین میں فتنہ وفساد برپا کرے، خدا کے بندوں کو اپنا بندہ سمجھنے لگے، بے بس اور کمزوروں کی آزادیاں سلب کرنے لگے، خیانت، بدکاری، بے حیائی، سنگ دلی و بے انصافی جیسے بے شمار اخلاقی مفاسد کی آبیاری کرنے لگے، یا پھر دوسروں کی جان پر ناحق حملے

---

(۳) سورۃ المائدہ۔۳۲، (۴) سورۃ الانعام۔ ۱۵۱،

کرنے لگے تو وہ اپنا حق حیات خود بخود کھو بیٹھتا ہے اور
﴿الفتنة اشد من القتل﴾ (۵) کے تحت حفاظت امن کے لئے اس فتنے کا خاتمہ کر دینا ہی واحد علاج بچ جاتا ہے۔ ورنہ قرآن ہمیں تنبیہ کر رہا ہے
﴿الا تفعلوه تكن فتنة في الارض و فساد كبير﴾(۶)

محترم سامعین! جب جسم کے اندر کوئی پھوڑا نکل آئے جس میں زہریلا و فاسد مادہ بھر گیا ہو یا جسم کا کوئی عضو سڑنے لگے تو عقل و خرد والا شخص اس کے اثر سے باقی جسم کو ہلاکت سے بچانے کے لئے اسے کاٹ کر پھینک دینا ہی ضروری سمجھتا ہے ٹھیک اسی طرح یہ انسانیت کے جسم کے وہ پھوڑے ہیں جن کے اثر سے پوری انسانیت کو بچانے کے لئے اسلام ایسے فتنوں کا روئے زمین سے صفایا کرنے کا حکم دیتا ہے ﴿قاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين لله.﴾ (۷) یہ ہے جہاد کی اصل غرض و غایت کہ انسانیت کا تحفظ ہو، شر و فساد کا خاتمہ ہو اس کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ قیصریت و کسرویت کو مٹا کر خود قیصر و کسریٰ بن جائیں بلکہ جہاد کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ سختی سے اس بات کی تاکید کر دی کہ ﴿قاتلو في سبيل الله الذين يقاتلونكم ولا تعتدوا ان الله لا يحب المعتدين.'' اس کے برخلاف افغانستان و عراق کی حالت آپ کے سامنے ہے جہاں ہر نفس پر امریکی فوج کی دہشت قائم ہے اور جن کی زندگی جہنم سے بھی بدتر ہو چکی ہے، عراقی عوام پہلے جس مصیبت میں مبتلا تھے آج امریکی فوج اس سے کہیں خطرناک انسانیت کا ننگا ناچ کھیل رہی ہے۔

برادران قوم وملت! تو یہ ہے وہ اصل مقصد جس کی بنا پر اسلام نے ظالموں اور مفسدوں کے ساتھ جنگ کو واجب اور فرض قرار دیا ہے کہ جب تک معاشرہ کے یہ ناسور زندہ رہیں گے زمین پر عادلانہ نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ چونکہ جہاد و قتال سے اسلام کا مقصد دہشت گردی نہیں بلکہ تحفظ انسانیت ہے اس لئے اس کے ایسے اصول و قوانین منضبط کئے جنھیں دیکھ کر ہر صاحب علم و بصیرت اور غیر متعصب شخص یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ دہشت گردی سے اس کا

(۵) سورۃ البقرہ۔ ۱۹۱　(۶) سورۃ الانفال۔۷۳　(۷) سورہ بقرہ/۱۹۳

دور دور تک کوئی واسطہ نہیں اوران کی آپستی نسبت تبائن کلی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے دعوت و تبلیغ اور عافیت کا راستہ اختیار کیا گیا، انکار کی صورت میں صلح و آشتی کا پیغام دیا گیا اور مسلمانوں کوحکم دیا"وان جنحوا للسلم فاجنح لها." (۸) مزید کہا گیا "فان اعتزلوكم فلم يقاتلوكم والقوا اليكم السلم فما جعل الله لكم عليهم سبيلا." (۹) اگر وہ مقابلہ نہیں کرنا چاہتے صلح ومصالحت پر راضی ہیں تو انھیں قتل کرنے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔اور اگر اپنے عناد وسرکشی پر مصر رہیں، قتل وقتال پر آمادہ ہو جائیں تو ایسے لوگوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا لیکن جو غیر اہل قتال ہیں انھیں قتل نہ کرنے کی سختی سے تاکید کردی اور حکم دیا﴿ لا تقتلوا شيخا فانيا ولا طفلا صغيرا ولا امرأة ولا تغلوا وضموا غنائمكم واصلحوا واحسنو ان الله يحب المحسنين. ﴾ (۱۰) یعنی نبی ﷺ قبل از جنگ اسلامی سپاہیوں کو سختی سے تاکید کردیتے تھے کہ کسی بوڑھے، بچے اور عورت کو قتل نہ کرنا، کسی کے مال کو خیانت کر کے اپنی غنیمت میں نہ شامل کرنا بلکہ اصلاح واحسان کا راستہ اختیار کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

چنانچہ اسلام نے جہاد کو ان تمام وحشیانہ افعال سے پاک کر دیا جو اس عہد میں جنگ کا ایک غیر منفک جزء بنے ہوئے تھے اوراس زمانہ میں دہشت گردی کی ایک جامع تصویر ہے مثلاً اسیران جنگ وسفراء کا قتل، مجروحین جنگ کا قتل، غیر اہل قتال کا قتل، اعضاء کی قطع و برید، مردوں کی بے حرمتی، آتش زنی، لوٹ مار اور قطع طریق، فصلوں اور بستیوں کی تخریب، بدعہدی و پیمان شکنی، فوجوں کی پراگندگی و بے نظمی لڑائی کا شور و ہنگامہ سب کچھ آئین جنگ کے خلاف قرار دے دیا گیا اور جہاد صرف ایسی چیز بن کر رہ گئی جس میں شریف اور بہادر آدمی دشمن کو کم سے کم نقصان پہنچا کر اس کو دفع کرے کی کوشش کریں اور جنگ ہونے کے بعد مفتوح قوم کی جان و مال کے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا جس سے بہتر سلوک کرنا ممکن نہ تھا، چونکہ جہاد کا مقصد تحفظ انسانیت اور دفع شر وفساد ہے اس لئے مفتوحین کو قتل کے بجائے غلام اوران کے مال کو

(۸) سورہ انفال/۶۱ (۹) سورہ النساء/۹۰ (۱۰) ابوداؤد

غنیمت بنانے کی اجازت دی گئی کہنے والا اسے بھی ظلم وتشدد اور دہشت گردی سے تعبیر کرسکتا ہے لیکن اس زمانہ میں اس سے بہتر کوئی دوسری صورت نہ تھی کیونکہ اگر بغیر کچھ کئے انھیں ایسے ہی چھوڑ دیا جاتا تو پھران کے شر وفساد کی طرف لوٹنے کا اندیشہ تھا نیز یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام نے انھیں غلام بنانے کی ترغیب نہیں دی ہے صرف اجازت دی ہے۔اور غلام بنالئے جانے کے بعد انہیں ہر طرح کی سہولتیں فراہم کرنے اوران سے حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔پھران کی رہائی کے اتنے ذرائع پیدا کردئے کہ آہستہ آہستہ غلامی کا یہ سلسلہ بھی دنیا سے ختم کردیا۔صرف جنگ حنین میں ہوازن کے چھ ہزار قیدی بطریق احسان بغیر کسی فدیہ کے آزاد کردئے گئے۔اس کے برخلاف جائزہ لےلو عراق کے ابوغریب جیل کا جہاں قیدیوں کے ساتھ حیوانیت سا سلوک اور انسانیت کا ننگا ناچ جاری ہے۔خود بخود اسلامی جہاد اور یہود ونصاریٰ کی دہشت گردی کا فرق دودھ اور پانی کی طرح واضح ہوجائیگا۔

برادران اسلام! اسلام نے اسی پاک وصاف اور مقدس جہاد کے ذریعہ اس بسیط زمین پر ایسا عادلانہ نظام قائم کیا جسے دنیا نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔جنگ بدر میں رسول اللہ ﷺ کا اپنے داماد اور اپنے چچا کے ساتھ عام قیدیوں جیسا سلوک کرنا، صلح حدیبیہ میں عہد کے مطابق ابوجندل کو کفار کے حوالے کرنا، جنگ یرموک میں سخت تنگی کے عالم میں اہل حمص کو خراج میں وصول کی گئی رقومات کا واپس کردینا، جنگ صفین کے موقع پر حضرت علیؓ کا زرہ کے بارے میں ایک یہودی سے اختلاف ہونے پر ایک عام شہری کی طرح قاضی شُریح کے دربار میں پہنچنا اور پھر قاضی شریح کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موافقت میں ان کے لڑکے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کو مسترد کردینا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے لڑکے ابوشحمہ کو شراب پینے کے جرم میں اَسّی کوڑے لگانا اور پھر اسی صدمہ میں انکا انتقال کرجانا، فارس کے شہر یاج میں محاصرہ کے دوران یقینی فتح کو ایک غلام کو امن دینے کی وجہ سے پورے شہر کو امان دے دینا، ایسی روشن مثالیں ہیں جنہیں کوئی بھی غیر متعصب شخص نظرانداز نہیں کرسکتا۔ان واقعات وحقائق کے تناظر میں بتاؤ! کہ دنیا میں اس سے بہتر حکمرانی کا کوئی اور آئیڈیل بھی موجود ہے؟

جن کی ملک گیری ایسی تقوی و طہارت اور عدل وانصاف پر قائم ہو جن سے زیادہ صالح جماعت چشم فلک نے روئے زمین پر کبھی نہیں دیکھی، کیا ان کا یہ دعوی جھوٹا ہے کہ دنیا میں حکومت کرنا یا بالفاظ صحیح تر دنیا کی خدمت کرنا صرف انہیں کا حق ہے؟ اگر انہوں نے عجم کے عیش پرست وظالم حکمرانوں، روم کے سیہ کار وجفا پیشہ فرمانرواؤں کو حکومت سے بے دخل کر دیا اور ان کی جگہ یہ منصفانہ حکومت قائم کی تو مجھے بتاؤ! کہ یہ انسانیت پر ظلم تھا یا ان کی خدمت؟ یہ دہشت گردی تھی یا انسانیت کی حفاظت؟ اگر اسے بھی دہشت گردی سے تعبیر کرو گے تو مجھے یہ کہنے میں کوئی تأمل نہیں کہ ہر چور کی نظر میں پولس دہشت گرد ہے، ہر مجرم کی نظر میں انصاف پسند جج دہشت گرد ہے اور ایک قدم اور آگے بڑھ کر بدمعاش اور شریر متعلم کی نظر میں ادب کی بنا پر مارنے والا مربی ومعلم بھی دہشت گرد ہے اگر انہیں بھی دہشت گرد کہنے لگو گے تو یہ فکر معکوس تمہیں اس منزل پر پہنچادیگی جہاں شیخ سعدی کا یہ شعر تم پر صادق آئیگا ۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کے تو می روی بترکستان است

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ رب العالمین تو تمام لوگوں کو اسلامی جہاد کی صحیح تصویر سے روشناش کردے۔ آمین۔

❖❖❖

فتنۂ جنگ وجدل تقلید سے پیدا نہ کر

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم واشهدان لااله الا الله وحده لاشریک له واشهد ان محمد اعبده ورسوله امابعد.

فاعوذبالله من الشیطان الرجیم ـ بسم الله الرحمٰن الرحیم

﴿اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله﴾(۱)

وقال النبی ﷺ ﴿فانه من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوابها وعضوا علیها بالنواجذ﴾(۲)

قال الشاعر العلامة اقبال رحمه الله

ہے فقط توحید وسنت امن وراحت کا طریق
فتنۂ جنگ وجدل تقلید سے پیدا نہ کر

گرامی قدر جناب صدر صاحب، محترم حاضرین اور اسلامی بھائیو! آپ حضرات کے سامنے جس عنوان کے تحت لب کشائی کرنا چاہتا ہوں وہ ہے ’’فتنۂ جنگ وجدل تقلید سے پیدانہ کر‘‘

محترم حضرات! اللہ رب العزت نے بنی نوع انسان کو راہ حق پر گامزن رکھنے اور ان کی رشد وہدایت کیلئے ہر دور میں انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔ اسی سلسلہ کی آخری کڑی نبی اکرم محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا اور

﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا﴾(۳)

---

(۱) سورہ توبہ۔۳۱، (۲) مسند احمد۔ج۴،ص۱۲۶،۱۲۷ (۳) سورۃ المائدہ۔۳

کے ذریعہ تکمیل شریعت کی مہر لگا دی۔اب اس دنیا میں انسانیت کی ارتفاع کیلئے نہ کوئی نبی ورسول آئیگا اور نہ رہتی دنیا تک اور کوئی نئی شریعت آئے گی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کیلئے انکے احکام ومسائل کو واضح کر دیا اور

﴿لتبين للناس ما نزل اليهم﴾(۴)

کے عظیم مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، دنیائے انسانیت کو

﴿تركت فيكم امرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب الله و سنة نبيه﴾(۵) کا عظیم تحفہ عطا کیا اور (العلماء ورثة الانبياء)(۶)

کا فرمان جاری کر کے اس طریقہ وسنت مطہرہ کو علماء امت کے حوالے کر دیا۔اب خلفاء راشدین، صحابہ کرام، اہل بیت، تابعین، اتباع تابعین، محدثین کرام، فقہاء عظام اور علماء امت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ﴿بلغو اعني ولو آية﴾(۷) کے فریضہ کو انجام دیں اور

﴿لا يبقى على ظهر الارض بيت مدرو لا وبر الا ادخله الله كلمة الاسلام بعز عزيز او ذل ذليل﴾(۸)

کا دوام جریدۂ عالم پر ثبت کر دیں، کتاب وسنت کو مرجع ومصدر بنا کر اسکی نشر واشاعت کریں اور جب کوئی اختلافی مسئلہ درپیش ہوتو

﴿اطيعوا الله و اطيعوا الرسول واولى الامر منكم فان تنازعتم فى شئى فردوه الى الله والرسول﴾(۹)

کو مدنظر رکھیں اور اسکا حل نکالیں، حکم خداوندی اور فرمان رسالت کو مرکزی حیثیت دیکر اس سے مسائل کا استنباط کریں اور احکام ومسائل کو باطل استدلالات سے منزہ کر کے اس کو لوگوں

---

(۴) سورہ نحل۔۴۴، (۵) موطأ امام مالک۔کتاب الجامع/باب النھی عن القول بالقدر، ص ۳۶۳

(۶) صحیح سنن ابن ماجہ للالبانی المقدمہ باب فضل العلم، ج ۱، رقم الحدیث ۲۷۷۸۔

(۷) صحیح بخاری ج ۱، ص ۴۹۱، کتاب الأنبیاء/باب ما ذکر عن بنی اسرائیل،

(۸) مسند احمد ج ۶، ص ۴، (۹) سورۃ النساء۔۵۹،

پر واضح کردیں۔علماء حق کے ذریعہ ان مسائل کے استنباط واستدلال میں اگر چہ انکے خطاو صواب دونوں کا احتمال ہے جو کہ باعث لعن وطعن نہیں بلکہ موجب اجر وثواب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایسے ہی لوگوں کو خوشخبری سنائی ہے۔

﴿اذا حکم الحاکم فاجتھد ثم اصاب فله اجر ان واذاحکم فاجتھد ثم أخطأ فله اجر﴾ (۱۰)

لہٰذا باعث رحمت و مستحق اجر وثواب ہیں وہ ائمہ کرام وعلماء عظام جنہوں نے کتاب و سنت سے اجتہاد کر کے لوگوں کیلئے مسائل شرعیہ کو واضح کیا اور انہیں مقتضائے کتاب وسنت سے آگاہ کیا۔ایسے لوگوں کی خیریت بیان کرتے ہوئے امام کائنات رحمۃ للعالمین ﷺ نے خوشخبری سنائی تھی ﴿من یر داللہ به خیرا یفقھه فی الدین﴾ (۱۱)

محترم حضرات! یہ حقیقت ہے کہ خطاولغزش سے ذات بنوی ﷺ کے علاوہ اورکوئی ذات پاک نہیں۔چاہے وہ کتنا ہی بڑا مجتہد وفقیہ ہی کیوں نہ ہو، نیز کوئی عالم جملہ علوم کتاب و سنت کے احاطہ کا دعوی نہیں کرسکتا۔کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ کوئی دلیل شرعی ان تک پہنچی ہی نہ ہواوران کا موقف اس مسئلہ میں اجتہاد کرتے ہوئے اسکے برعکس ہو جو ثابت شدہ ہے۔لیکن بنی ﷺ نے اسے باعث لعن وطعن اور موجب حقارت وذلت قرار دینے کے بجائے مستحق اجر وثواب قرار دیا ہے اسی وجہ سے ہمارا اس بات پر اعتقاد ہے کہ کوئی بھی کسی فقیہ ومجتہد کو سب وشتم اور طعن وتشنیع کا موجب قرار دے وہ کامل مومن نہیں بلکہ

﴿سباب المومن فسوق﴾ (۱۲) کے وعید کا مستحق ہے اسی طرح جو کوئی کسی فقیہ ومجتہد کے اجتہاد کو گرچہ وہ خلاف کتاب وسنت ہی کیوں نہ ہو پتھر کی لکیر سمجھے اور حتمی قرار دے تو وہ

﴿لئن اتبعت اھو ائھم من بعدماجاء ک من العلم انک اذالمن الظالمین﴾ (۱۳)

کے تناظر میں عتاب کا مستحق ہے۔اسلئے کہ نبی کریم ﷺ نے آج سے چودہ سوسال

---

(۱۰) صحیح مسلم ج۲ص ۷۶، (۱۱) صحیح بخاری۔ج۱ص۱۶، (۱۲) صحیح مسلم ج۱،ص ۵۸، (۱۳) سورۃ البقرۃ۔۱۴۵۔

قبل ہمیں اس اختلاف کا حل بتا دیا ہے۔

﴿ فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرافعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوابھا و عضو اعلیھابا لنواجذ﴾

کہ لوگو! میرے بعد دنیا میں جو لوگ زندہ رہیں گے وہ بہت سارے اختلاف دیکھیں گے اس وقت تم میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا۔

لہٰذا ضرورت ہے کہ ہم اپنا موقف

﴿خیر الحدیث کتاب اللہ و خیر الھدی ھدی محمد ﷺ﴾ (۱۴) بنائیں

اور ﴿ ماآتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا ﴾ (۱۵)

کی سچی تصویر بنیں، اختلافی مسائل میں کتاب وسنت کو اپنا مرجع اور مصدر بنائیں۔ نہ کہ ائمہ کرام، فقہاء ومجتہدین کے اقوال کو اختیار کر کے قرآن وسنت کو ثانوی حیثیت قرار دیں جیسے آج ہمارے بعض اخوان ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کی تقلید کو واجب قرار دے رہے ہیں۔ اور اس تقلیدی رجحان کی تائید میں انکی بھی سب سے بڑی دلیل وہی ہے جو کبھی کفار مکہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد دیا کرتے تھے

﴿بل وجدنا آباءنا کذالک یفعلون﴾ (۱۶)

لہٰذا ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اس بارے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طرز عمل کیا تھا؟ کیا وہ رب کا قرآن اور رسول کا فرمان ہوتے ہوئے کسی خلیفہ کی بات کو ترجیح دیتے تھے؟ کیا انہوں نے کتاب اللہ وسنت رسول کو کبھی ثانوی درجہ میں رکھا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حکم الٰہی وقول رسول کے سامنے آجانے کے بعد اپنے رائے وقیاس اور ذاتی موقف کو ٹھوکر مار دیتے تھے۔ مثلاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وفات نبوی ﷺ کا شدت سے انکار کرنا۔ مگر جب دلیل قرآنی سامنے آگئی کہ نبی ﷺ کی وفات ہونا عین ممکن ہے سو وہ آج ہوگئی تو وہی پتھر موم بن کر پگھل گیا۔

---

(۱۴) صحیح مسلم ج۱، ص۵۸، (۱۵) سورۃ الحشر۔ ۷، (۱۶) سورۃ الشعراء۔ ۷۴

لیکن افسوس صد افسوس کہ آج تقلید نے لوگوں کو کتاب اللہ کو ثانوی حیثیت ہی نہیں بلکہ تحریف کرنے پر آمادہ کر دیا اور جب مقلدین جامدین کو اختلافی مسائل میں کتاب وسنت کے بجائے اپنے احبار ورہبان کو قدوہ ونمونہ بنانے کی کوئی دلیل نہ ملی تو قرآن میں تحریف کرنے سے بھی نہ چوکے اور معاذ اللہ

﴿فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول ﴾

کے بعد ﴿واولی الامر منکم﴾ کے اضافہ کرنے کی جرأت وہمت

سینہ کر بیٹھے اور ﴿اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابامن دون اللہ﴾

کے وعید کو فخریہ انداز میں اپنے گلے لگالیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ببانگ دہل اعلان فرمادیا ہے

﴿فلاوربک لایومنون حتی یحکموک فیماشجربینھم ثم لایجدوافی انفسھم حرجا مماقضیت ویسلموا تسلیما﴾(۱۷)

کہ لوگ اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتے یہاں تک کہ اپنے اختلافی مسائل میں آپ کو اپنا فیصل نہ مان لیں اور آپ جو فیصلہ کر دیں اس کے سامنے اپنا سر تسلیم خم نہ کر دیں۔

لیکن تقلیدی حصار میں رہنے والے رائے وقیاس میں منہمک لوگوں نے ایسے ایسے مسائل پیدا کر دئے جن کا تذکرہ بھی باعث شرم ہے۔ مثلاً بیٹے کی منکوحہ سے باپ نے جبراً عصمت دری کی تو زوجین کے مابین محرمات ابدیہ کا فتوی صادر کر دیا اور حد تو یہ کر دی کہ دوران نماز قعدۂ اخیرہ میں اگر کسی نے قصداً ہوا خارج کر دی تو اسکی نماز صحیح اور بلند آواز سے آمین کہہ دیا تو نماز کے بطلان اور مسجد کے ناپاک ہونے کا فرمان صادر کر دیا۔ اسی تقلید کی دین ہے کہ دجلہ وفرات کے ساحلوں پر مناظرہ کے اسٹیج سجائے جاتے، معاملے زبان درازی سے لیکر ایک دوسرے کی داڑھیوں کو نوچنے اور خونریز تصادم تک جا پہنچتے اور مخالفین پر غلبہ حاصل کرنے کی خاطر رمضان کے فرض روزے ترک کرنے کا فتوی صادر کیا جاتا کہ مناظر صاحب کو

---

(۱۷) سورۃ النساء۔ ۶۵، (۱۸) سلفیت کا تعارف ص ۳۲۳،

روزے کی وجہ سے مشقت نہ اٹھانی پڑے۔(۱۸) اس تقلید سے مسلمانوں کا عظیم مرکز روحانی ''مسجد حرام'' بھی محفوظ نہ رہ سکا اور مقلدین حضرات نے اپنے اپنے مذہب کیلئے چار الگ الگ مصلے قائم کرلئے۔ ہر مقلد فرقہ اپنے ہم مذہب امام کے پیچھے ہی نماز پڑھتا۔ مسلمانوں کیلئے اس سے بڑی بدنصیبی اور کیا ہوسکتی ہے کہ فتنہ تقلید سے اللہ کا سب سے عظیم گھر ''خانہ کعبہ'' بھی محفوظ نہ رہ سکا۔

چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں کہ ۔

دین حق را چار مذہب ساختند

رخنہ در دین نبی انداختند

آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سعودی حکومت کا قیام عمل میں آیا اور ملک عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی جدوجہد وحکمت عملی سے ملت اسلامیہ کی پیشانی سے یہ بدنما داغ ختم ہوا۔(۱۹)

ملت اسلامیہ کے پاسبانو! جب کہ ان فقہاء و مجتہدین رحمہم اللہ علیہم کی زندگی پر نظر عمیق ڈالی جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجائیگی کہ انہوں نے کبھی بھی اپنی زندگی میں اس اندھی تقلید کی تائید نہیں کی اور ہمیشہ متبعین اسلام کو اس سے دور رہنے کی تاکید کرتے رہے۔ چانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

''اذاصح الحدیث فھو مذھبی'' مزید فرماتے ہیں'' اذاقلت قولا یخالف کتاب اللہ وخبر رسول اللہ فاترکوا قولی''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا'' انما انا بشر اخطی واصیب فانظروا فی رأی فکل ما وافق من الکتاب والسنۃ تتخذوا بہ ''وکل مالم یوافق الکتاب والسنۃ فاترکوہ''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ''اذاوجدتم فی کتابی بخلاف سنۃ رسول اللہ ﷺ فقولوا بسنۃ رسول اللہ ودعوا قولی''

(۱۹) سلفیت کا تعارف ص ۳۱۱،

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ترک تقلید کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لاتقلدونی ولاتقلدوا مالکا ولا الشافعی ولاالاوزاعی ولاالثوری وخذوا من حیث اخذوا﴾(۲۰)

الغرض تقلید ائمہ اتباع رسول کے متوازی ایک مکتب فکر اور طرز کا نام ہے۔ جس کا بطلان ادنی تأمل سے ظاہر ہے، اسکی فتنہ سامانیاں دین حق کیلئے ظاہر ہیں جس کا اندیشہ ہر ایک امام کو تھا اور تقلید کی برائی اور مہلک انجام سے وہ واقف تھے۔ اس لئے اپنی اپنی حیات میں ہی ہر ایک نے اپنی یا دوسرے کی تقلید کرنے سے سختی سے منع کر دیا۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ ہم سنجیدہ دماغ اور شرح صدر کے ساتھ اس حقیقت کو قبول کریں اور اتباع سنت کی سیدھی راہ پر چلنے کی کوشش کریں کیونکہ

ہے قول محمد قول خدا فرمان نہ بدلا جائے گا
بد لیگا زمانہ لاکھ مگر قرآن نہ بدلا جائیگا

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ہمیں اتباع سنت کی سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔

❖ ❖ ❖

(۲۰) اقوال فقہاء کیلئے ان کتب کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔ اعلام الموقعین، ردالمحتار، جلب المنفعہ، عقد الجید، جامع العلم اور حقیقۃ الفقہ وغیرہ۔

اسلام میں عورت کا مقام

الحمدلله الذی هدانا لهذا وما کنا لنهتدی لولا ان هدانا الله و اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له و أشهدان محمدا عبده و رسوله امابعد:

فأعوذ بالله من الشیطان الرجیم .بسم الله الرحمن الرحیم

﴿انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر و انثی﴾ (۱)

وقال النبی صلی الله علیه وسلم﴿ الدنیا کلها متاع و خیرمتاع الدنیا المرأة الصالحة﴾ (۲)

محترم المقام قابل احترام صدر مجلس، معزز مہمانان گرامی، حاضرین محفل، بزرگو اور دوستو، اسلامی بھائیو! آج کی اس نورانی محفل میں میں جس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں وہ ہے ''اسلام میں عورت کا مقام''۔

محترم حضرات! اسلام ایک معتدل ومتوازن اور ہرصنف کے حقوق کا محافظ مذہب ہے۔اس نے ﴿النساء شقائق الرجال﴾(۳)

کے تحت مردوں کی طرح عورتوں کوبھی معاشرہ کاایک اہم جزءقرار دیکراسکے گوہر عصمت اورتاج افتخارکو ہمیشہ کیلئے درخشندہ وتابندہ بنایا،انہیں عفت وعصمت اورشرم وحیا کے زیور سے مزین کیااور ہرطرح کے حقوق سے نوازا، زندگی کے ہرمحاذ پران کی پاسبانی کی جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔ماں کی صورت میں انہیں سب سے زیادہ حسن سلوک کا مستحق قراردیا، بہن کی صورت میں بھائی کی رحمت وشفقت اور بیٹی کی صورت میں والدین کا

---

(۱)سورۃ آل عمران۔۱۹۵، (۲)مختصر صحیح مسلم۔۷۹۷، (۳)مسند احمد ج۶، ص۲۵۶، ۳۷۷، جامع ترمذی ابواب الطهارة باب فیمن یستیقظ و یری بللا ولا یذکر احتلاماً ص ۳۱

لخت جگر اوران کی آنکھوں کا تارا قرار دیا، اور بیوی کی صورت میں ﴿هن لباس لکم و انتم لباس لهن﴾ (۴)

کہہ کر شوہر کا رازدار اوران کے گہوارۂ محبت کا مستحق قرار دیا۔ دنیاوی معاملات میں بھی حجاب کی شرط کے ساتھ ہر طرح کے عروج وارتقاء کے منازل طے کرنے کی پوری آزادی دی اورانکے لئے ایسا آئین عطا کیا جوانہیں ہر طرح سے محفوظ ومصئون کر سکے۔

میرے دینی وملی بھائیو! اسلام سے پہلے عورتوں کی کوئی عزت ووقعت ہی نہیں تھی۔ یہاں تک کہ بعض تو اسے انسان ماننے کو ہی تیار نہ تھے۔ اور بعض تو اسے اپنی تکمیل خواہشات کا سامان تصور کرتے تھے، باضابطہ لڑکیوں کی تجارت کی جاتی تھی اورایک ایک عورت سے چار چار بھائی استفادہ کیا کرتے تھے، لڑکیوں کی پیدائش باعث ننگ وعار سمجھی جاتی تھی اور زچگی کے وقت ہی انہیں زندہ درگور کردیا جاتا۔ قرآن نے

﴿واذاالموء ودة سئلت بای ذنب قتلت﴾(۵)

میں اسی جرم کی طرف اشارہ کیا ہے اورآج بھی ہمارے ملک میں یہ جرم عظیم دوبارہ سر اٹھارہا ہے، الٹراساونڈ کے ذریعہ رحم مادر میں ہی بچی کی شناخت کا دعوی کر کے اسقاط حمل کرادیا جاتا ہے، کوئی نہیں چاہتا کہ اس کے گھر کسی بچی کی پیدائش ہواوراسکی بشارت سنتے ہی قرآنی تصویر

﴿ظل وجهه مسودا وهو كظيم﴾ (۶)

اس کے چہرے پرنمایاں ہوجاتی ہے۔ اسلام نے اسی ماحول کو مدنظر رکھتے ہوئے عورتوں کونئی زندگی عطا کی اوران کی کفالت کرنے والوں کو جنت کی بشارت کا مژدہ سنایا۔

ملت اسلامیہ کے پاسبانو! آج اسلام پرسخت اعتراضات کئے جاتے ہیں کہ اسلام عورتوں کی حق تلفی کرتا ہے، اسلام عورتوں کی آزادی کا دشمن اوران کی ترقی کی راہ کا روڑا ہے اسی جیسے ہزاروں نعرے لگائے جاتے ہیں، حکومت وسیاست میں ان کے ریزرویشن کی

---

(۴) سورۃ البقرہ۔۱۸۷ (۵) سورۃ التکویر۔۸،۹ (۶) سورہ زخرف۔۱۷

وکالت کی جاتی ہے، ہرمیدان عمل میں مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کی ترجمانی کی جاتی ہے، مخلوط تعلیم پر زور دیا جاتا ہے، انہیں برسر عام ہوٹلوں و پارکوں میں جانے کی آزادی کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔جن کے لازمی نتیجہ کی بنا پر بے حیائی، عریانیت، جنسی استحصال، عصمت دری، اسقاط حمل اور جہیز کی بنا پرستائی ہوئی لڑکیوں کی خودکشی کے معاملے لگاتار تیزی سے بڑھ رہے ہیں ۔ اگر آزادی اور حقوق نسواں کا یہی مطلب ہے تو ہم حقوق نسواں کے ان علمبرداروں کو ببانگ دہل یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ ان کی آزادی ان کو مبارک ہو۔ ہمیں نہیں چاہئے ایسے آزادی وحقوق جس میں ہماری عزت وناموس کی پامالی ہوتی ہو، ہم تو ایسی آزادی اور حقوق کے طلبگار ہیں جس میں ہماری زندگی کا ہر پہلو درخشاں ہو، دنیا میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جائیں اور آخرت میں بھی

﴿نزلا من غفور رحیم﴾ (۷) کے تمغے سے نوازی جائیں۔

محترم سامعین! دنیا کے کسی مذہب نے عصمت دری اور عزت وناموس کی پامالی کو جائز اور روا نہیں سمجھا ہے، ہرایک مذہب وملت نے اسے ایک قبیح اور شنیع فعل قرار دیا ہے، لیکن کسی نے اس کا سد باب نہیں کیا۔اسلام کی یہ خوبی ہے کہ اس نے عورتوں کے حال اور استقبال دونوں کا خیال رکھا اور اس امر مذموم میں ان کے وقوع سے پہلے ہی اس کا سد باب کر دیا، انہیں زیور حجاب سے آراستہ وپیراستہ کیا اور

﴿یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لبا سا یواری سوأ تکم و ریشا﴾ (۸)

کا حسین تحفہ دے کران کی ستر پوشی کی، ان کی عزت وناموس کا تحفظ کیا اور انہیں ہلاکت کے عمیق دلدل سے نکالا۔اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے میراث میں عورتوں کے لئے ایک مستقل حصہ متعین فرمایا اور اسے میکے وسسرال دونوں جگہ کا وارث قرار دیا۔کوئی اور مذہب ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اسلام نے تو اس کے مقام ومرتبہ کو اتنا بلند کیا کہ

---

(۷) سورہ حم سجدہ۔۳۲،   (۸) سورۃ الاعراف۔ ۲۶،

﴿خیر متاع الدنیا المرأة الصالحة﴾ تک کی سرٹیفکیٹ دیدی اور

﴿ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف﴾(۹)

کہہ کرانہیں وہ تمام حقوق عطا کئے جن کا دوسری قوموں نے تصور تک نہ کیا تھا، اسلام نے ﴿انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر و انثی﴾(۱۰)

کہہ کر جزا وسزا میں انہیں مردوں کے مساوی قرار دیا نیز

﴿الرجال قوامون علی النسأء﴾(۱۱)

کہہ کر تمام خارجی وکسبی امور کی ذمہ داری کا بارگراں ان سے اٹھا کر شوہروں پر ڈال دیا اور انہیں امور خانہ داری اور تمام داخلی امور کا نگراں مقرر کیا۔ایسی متعدل آزادی، حقوق اور مقام ومرتبہ کے بلندی کی مثال اسلام کے علاوہ دنیا کی اور کوئی قوم کبھی پیش نہیں کر سکتی۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ہم سب لوگوں کے ذہن میں اسلام کی صحیح وجامع تصویر کا نقش کھینچ دے۔

آمین یا رب العٰلمین. و آخر دعو انا ان الحمد لله رب العالمین.

❖ ❖ ❖

(۹) سورۃ البقرہ۔ ۲۲۸، (۱۰) سورہ آل عمران۔۱۹۵، (۱۱) سورۃ النساء۔۳۴

سلام۔محبت کا پیغام

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم و اشهدان لااله الاالله وحده لاشریک له و اشهد ان محمدا عبده و رسوله اما بعد

فاعوذبالله من الشیطان الرجیم بسم الله الرحمن الرحیم

﴿اذا حییتم بتحیة فحیوا باحسن منها اوردوها﴾ (۱)

وقال النبی صلی الله علیه و سلم﴿افشوا السلام بینکم﴾ (۲)

معزز و مکرم صدر باوقار، حاضرین مجلس، محترم دوستو اور اسلامی بھائیو! آج آپ کے سامنے جس موضوع کو لے کر کھڑا ہوا ہوں وہ ہے ''سلام۔محبت کا پیغام''۔

محترم حاضرین! انسان کی یہ فطرت ہے کہ جب بھی اپنے خویش واقارب، دوست واحباب اور ہم نشینوں سے ملتا ہے تو اسکی زبان سے بلا تکلف چند کلمات ادا ہوتے ہیں اسی کو سلام کہتے ہیں۔انسان چاہے جس مذہب کا بھی ماننے والا ہو اور معاشرہ کے جس طبقہ سے بھی اس کا تعلق ہو ملاقات کے وقت اپنے آشنا کو سلام محبت پیش کرتا ہے۔یہ الگ بات ہے کہ ہر قوم کے سلام کا طریقہ مختلف ہے کوئی ملاقات کے وقت ''گڈ مارننگ'' اور ''نمستے'' کہتا ہے تو کوئی ''پرنام'' جیسے الفاظ کا استعمال کرتا ہے۔

چنانچہ اگر گہرائی سے دیکھا جائے تو ان مذکورہ سلاموں میں مخاطب کیلئے کوئی دیناوی یا آخروی فائدہ نہ تھا اور ان الفاظ کو ایک دشمن بھی درپردہ دشمنی رکھتے ہوئے اپنے دشمن ساتھی کیلئے استعمال کرسکتا تھا۔ان کے اندر ایسی جامعیت نہیں تھی کہ دودلوں کے اندر الفت ومحبت پیدا کر سکے۔مگر اسلام نے دینائے انسانیت کو سلام کا ایسا حسین تحفہ عطا کیا جو سراپا محبت کا پیغام ہے۔

---

(۱) سورۃ النساء۔۸۶، (۲) صحیح مسلم ج۱، ص۵۴

جب ایک انسان اپنے بھائی کو " السلام علیکم و رحمة الله وبر کاته" کے کلمات سے نوازتا ہے تو اسے اس بات کا عہد و پیمان دیتا ہے کہ میری جانب سے تمہیں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں، اپنی جانب سے ہر طرح کا امن و امان ہے۔ دل کے اندر بغض وحسد، کینہ وکپٹ اور کدورت وشقاوت کے رہتے ہوئے اس جملہ کی ادیگی ناممکن ہے۔ سلام تو ایسی محبت کا پیغام لیکر آتا ہے کہ دو شکستہ دل دشمنوں کے اندر بھی محبت کا بیج ڈال دیتا ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے دو مہجور اشخاص کے درمیان صلہ رحمی کیلئے اسی محبت کے پیغام کو ذریعہ بنایا اور ارشاد فرمایا

﴿لایحل لمسلم ان یهجر اخاه فوق ثلاث لیال یلتقیان فیعرض هذا ویعرض هذاو خیر هما الذی یبدأ بالسلام﴾ (۳)

یعنی کسی مسلمان کیلئے اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرنا جائز نہیں کہ ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت اعراض کرتے رہیں، پس ان دونوں میں سے بہتر وہ ہے جو سلام کرنے میں دوسرے پر پہل کرے۔ چنانچہ جب کوئی نیا شخص مجلس میں آتا ہے اور سلام سے پہل کرتا ہے تو فطری طور پر ماحول مزید خوش گوار ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب کسی مجلس میں جاتے تو پہلے سلام کیا کرتے۔ چنانچہ آپ نے کبھی یہ نہ سوچا کہ میں قوم کا سردار ہوں تو کیوں میں پہلے سلام کروں؟ کیوں کہ ایسا تصور اور خیال وہی شخص کرسکتا ہے جس کے دل میں تکبر اور گھمنڈ ہو، دل کے اندر کینہ وکپٹ ہو اور آپ کا تو یہ حال تھا کہ ادنی سے ادنی شخص کے اشارے بھر سے آپ رک جاتے اور ان کو سلام میں خود پہل کرتے۔ چنانچہ آپ ﷺ صرف اس مقصد سے بازاروں اور لوگوں کے ہجوم میں جاتے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں سے سلام کرنے کا موقع ملے گا اور لوگوں کے درمیان محبت کا یہ پیغام پھیل سکے گا۔ آپ نے اسے محبت کا ذریعہ اور دخول جنت کا ایک آسان نسخہ قرار دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

---

(۳) صحیح بخاری ج ۲، ص ۸۹۷

﴿لا تـد خلون الجنة حتی تو منو ا و لا تو منوا حتی تحابوا اَو لاَ ادلکم علی شئی اذا فعلتموہ تحا ببتم افشوا السلام بینکم﴾ (۴)

کہ تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ ایمان نہ لاؤ اور اس وقت تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوسکتا جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا میں ایسی چیز کی طرف تمہاری رہنمائی نہ کردوں کہ اگر تم اس کو کروگے تو آپس میں محبت پیدا ہوگی ''افشوا السلام بینکم'' آپس میں سلام پھیلاؤ۔

برادران اسلام! چنانچہ آپ نے افشاء سلام کو محبت کا پیغام اور محبت کا ذریعہ قرار دیا۔ نیز محبت کا بدلہ محبت کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اس سلام کا بہترین جواب دینے کی بھی تاکید فرمائی۔ ارشاد ربانی ہے

﴿اذا حییتم بتحیة فحیوا با حسن منها او ردوها﴾ (۵)

یعنی جب تم سے سلام کیا جائے تو اس سے بہترین جواب دو یا اس نے جو سلام کیا ہے وہی لوٹا دو۔ اسلئے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان بھائی پر یہ حق ہے کہ ملتے وقت ''السلام علیکم'' کہیں۔ نبی ﷺ نے ایسے لوگوں کو بخیل کہا ہے جو ملاقات کے وقت اپنے بھائی کو سلام کا تحفہ تک نہ دے سکیں۔ اسی لئے آپ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ جو شخص سلام سے پہلے تم سے ہم کلام ہونا چاہے اس کا جواب نہ دو اور جو آتے ہوئے سلام نہ کہے اس کو کھانے کی دعوت نہ دو۔

لیکن افسوس صد افسوس کہ آج معاشرہ سے محبت کا یہ پیغام ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اسلامی سلام سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے مغربی تہذیب و ثقافت کی اندھی تقلید میں ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کے بجائے ''گڈ مارننگ'' اور گڈ ایوننگ'' کو ہم بڑے فخر سے ادا کرتے ہیں اور اسے اپنا طرۂ امتیاز سمجھتے ہیں حالانکہ یہ تشبہ بالقوم ہے جو کبر و نخوت کی دلیل ہے۔ آج ہماری سوچ یہ بن گئی ہے کہ اگر خود پہلے سلام کریں گے تو عزت کا جنازہ نکل جائیگا

(۴) صحیح مسلم ج۱ ص۵۴، (۵) سورۃ النساء۔۸۶

اور معاشرہ میں قائم شدہ اپنا وقار گھٹ جائیگا۔

محترم سامعین! کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ آپ کے کلام کا جواب نہ دیا جائے؟ آپ کی مہمان نوازی نہ کی جائے؟ اور آپ کو معاشرہ میں بخیل شمار کیا جائے؟ قطعاً آپ کو یہ پسند نہ ہوگا۔لہذا آپ سے میرا مشورہ یہی ہے کہ "افشوا السلام بینکم "اسی میں عزت اور احترام ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعاء گوہوں کہ الہ العالمین ہمیں معاشرے کے اندر اس پیارے سنت اور محبت کے اس پیغام کو عام کرنے کی توفیق عطا فرما۔آمین۔

❖ ❖ ❖

اسلام میں نماز کی اہمیت

حامداو مصلیا امابعد فاعوذباللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ان الصلاۃ تنہی عن الفحشاء و المنکر﴾(۱)

وقال النبی ﷺ ﴿بین العبد وبین الکفر ترک الصلاۃ﴾(۲)

گرامی قدر صدر صاحب، برادران قوم وملت اورعزیز دوستو! آج کی اس پر رونق بزم میں آپ حضرات کے سامنے اسلام کے ایک عظیم رکن اور ایک اہم دینی فریضہ پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں ۔امید کہ آپ حضرات بغور سماعت فرمائیں گے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے ۔ان شاءاللہ۔

حضرات! اللہ رب العالمین نے بنی نوع انسان کو پیدا کیا اور بہت ہی صاف لفظوں میں ان کی تخلیق کا مقصد بھی بیان کردیا

﴿وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون﴾(۳) انہیں عبادتوں میں سے سب سے اہم اور مہتم بالشان عبادت نماز ہے اسلام کی بنیاد جن پانچ ستونوں پر قائم ہے ان میں سے ایک بنیادی ستون نماز کا ہے۔اس عبادت کے ذریعہ بندہ اپنے خالق حقیقی سے بہت زیادہ قریب ہوجاتا ہے بلکہ اپنے رب سے سرگوشی کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔خشوع وخضوع میں مستغرق ہوتے ہوئے اللہ رب العزت کے پیش نظر ہونے کا احساس دل میں جاگ اٹھتا ہے اور اسے

﴿تعبداللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک﴾(۴)

کا روحانی موقع نصیب ہوتا ہے۔رب ذوالجلال کا نمازی کے مواجہت میں ورود مسعود ہوتا

---

(۱)سورۃ العنکبوت ۔۴۵، (۲)ابوداؤد کتاب السنہ باب فی ردالارجاء، ص۶۴۳،

(۳)سورۃ الذاریات ۔۵۶، (۴) صحیح مسلم ج ۱، ص ۲۷،

ہے اور فرشتے ایسے لوگوں کی ایک ایک حرکت کو قلمبند کرتے ہیں، ان کے مضطرب دلوں کو سکون اور خیرہ آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔ اس فریضہ کی باجماعت ادائیگی وحدت اسلامی کا مظہر ہے۔ ایک ہی صف میں پیر سے پیر اور کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہونے سے امیر وغریب اور آقا وغلام کا تفاوت مٹ جاتا ہے۔ سچ ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

نیز ہر طرح کی آلائشوں سے دل پاک ہو جاتا ہے اور

﴿ان الصلاة تنهى عن الفحشاء والمنكر﴾ کی تصویر صاف طور پر نمایاں ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے سب سے زیادہ اس فریضہ کی ادائیگی کا اہتمام کیا، ابھی نماز فرض بھی نہیں ہوئی تھی لیکن آپ اکثر حالتوں میں نماز میں مشغول رہتے۔ اسلام کے ابتدائی ایام میں ہر طرف دشمن کا خوف ہوتا لیکن پھر بھی آپ چھپ چھپا کر نماز ادا کرنے میں منہمک ہوتے۔ ہر طرف کفار کی اذیتوں کا خطرہ ہے پھر بھی خانہ کعبہ میں نماز جاری ہے، بارگاہ الٰہی میں باادب ایستادہ ہیں، جبینِ نیاز خم ہے، رب کے حضور سر بسجود ہیں، پیٹھ پر اوجھڑی ڈال دی جاتی ہے پھر بھی نماز سے نہیں رکتے نماز بدستور جاری ہے۔ اور مرض الموت کا ذرا حال سن لیجئے! صحیح طور پر اعصاب کام نہیں کر رہے ہیں، خود سے چل کر مسجد میں آنے تک کی طاقت جسم میں موجود نہیں ہے۔ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے کندھوں کا سہارا ہے، پیر زمین پر گھسیٹ رہے ہیں، پھر بھی نماز کا خیال ہے نماز سے پیچھے نہیں رہتے۔ اتنا اہتمام اتنا اہتمام کہ میدان کارزار میں ہیں، سامنے دشمن خون کے پیاسے ہیں، تلواریں چل رہی ہیں، عرش والے کی طرف سے حکم آتا ہے:

﴿واذا كنت فيهم فاقمت لهم الصلاة﴾ (۵)

---

(۵) سورۃ النساء۔ ۱۰۲،

اے نبی میدان جنگ میں بھی نماز معاف نہیں ہے وقت ہو چکا ہے اٹھئے اور جماعت قائم کیجئے۔ یا اللہ دشمن سامنے ہے اگر نماز شروع کر دی تو ختم بھی نہ ہوگی خود ختم ہو جائیں گے، آخر اس حالت میں کیسے جماعت قائم ہو سکتی ہے۔ اسی احکم الحاکمین کی جانب سے تدبیر بھی بتائی جاتی ہے۔ ایک جماعت دشمن کے مقابلے میں ڈٹی رہے اور ایک جماعت نماز قائم کرے۔ نماز ختم کر کے پھر یہ محاذ پر چلے جائیں اور ان کو نماز کیلئے بھیج دیں کیونکہ ایسی صورت میں بھی نماز معاف نہیں ہے۔ علامہ اقبال نے کیا ہی خوب ترجمانی کی ہے ۔

آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمین بوس ہوئی قوم حجاز

ملت اسلامیہ کے پاسبانو! دوسرے ارکان تو کسی نہ کسی عذر کی وجہ سے معاف ہیں۔ لیکن نماز کسی صورت میں بھی معاف نہیں۔ کھڑے کھڑے نہیں پڑھ سکتا بیٹھ کر پڑھ لے، بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتا لیٹے لیٹے پڑھ لے، اتنی بھی طاقت نہیں ہے تو اشارے سے پڑھ لے۔ جب تک کہ ہوش وحواس باقی ہے، نماز معاف نہیں، اسلئے کہ جس کا ہوش وحواس تک باقی نہ رہے اس کا موجود رہنا نہ رہنا برابر ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اس فریضہ کی ادائیگی میں ایسے ایسے نمونے پیش کئے جنہیں سن کر بھی دل لرز جاتا ہے اور ہماری ہمت جواب دے جاتی ہے۔ نماز پڑھ رہے ہیں، دشمنوں کی طرف سے تیر آتا ہے۔ جسم میں پیوست ہو جاتا ہے، خون کے فوارے چھوٹ رہے ہیں لیکن نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ کی یاد میں مستغرق ہیں، تکلیف کے باوجود نماز سے ہٹنا گوارہ نہیں۔ اور آج ہماری حالت یہ ہے کہ مچھر کاٹے یا کوئی چیونٹی فوراً نماز سے دھیان اُچٹ گیا، ہمیں نماز کے اوقات اور جماعت کا کوئی پاس ولحاظ نہیں، کبھی دو وقت پڑھ لیا تین وقت غائب اور کبھی دن بھر کی نماز ہضم کر گئے اور بعض تو ایسے ہیں جنہیں صرف جمعہ جمعہ ہی مسجد کا دیدار ہوتا ہے اور کچھ ایسے بھی بدنصیب نسلی مسلمان موجود ہیں کہ توفیق ہوئی تو عیدین کی نماز میں وہ بھی تاخیر سے ہی حاضری دیدی تاکہ مسلمانوں کی فہرست میں نام باقی رہ جائے۔ آج آپ لوگوں سے میں

ایک سادہ اصول بیان کر رہا ہوں۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم نے مومنوں اور منافقوں کے درمیان فرق کرنے کیلئے ایک اصول بنایا ہوا تھا، عشاء اور فجر کی نمازوں میں ہم بغور دیکھتے کہ کون شخص جماعت سے غائب ہے۔ جو غائب ہوتا ہم سمجھ جاتے کہ یہ مومن نہیں منافق ہے۔ کیونکہ دربار رسالت سے ہمیں یہ فرق بتایا گیا تھا کہ

﴿اثقل الصلاة علی المنافقین العشاء و الفجر﴾ (۶)

منافقین پر تمام نمازوں میں سب سے بھاری نماز عشاء اور فجر کی نماز ہے۔

محترم حضرات! صرف جماعت سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے صحابہ کرام کو ایسے شخص کے بارے میں نفاق کا شبہ ہو جاتا اسلئے کہ ان کے مابین یہ تصور تک محال تھا کہ کوئی مسلمان ہوتے ہوئے بھی نماز ترک کرسکتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ان کے سامنے تھا

﴿بین العبد وبین الکفر ترک الصلاة﴾

کہ مومن اور کافر کے درمیان فرق کی چیز نماز کا چھوڑنا ہے۔ اور پھر اس سے بھی صاف لفظوں میں آپ نے بیان کردیا

﴿العهد الذی بیننا و بینهم الصلاة من ترکها فقد کفر﴾ (۷)

ایک مسلمان اور کافر کے درمیان فرق و امتیاز کی چیز ''نماز'' ہے جس نے قصداً نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔ کیونکہ اسکے بغیر نجات ممکن نہیں، جو نماز نہیں پڑھتے اور اخروی نجات کی امید لگائے ہوئے ہیں وہ خام خیالی میں مبتلا ہیں۔ قرآن پاک میں کہیں بھی یہ بات نہیں کہی گئی کہ صرف ایمان ہی انسان کی نجات کیلئے کافی ہے بلکہ اسکے برعکس یہ بیان ہوا ہے کہ جب جہنمی جہنم میں پھینک دئے جائیں گے ان سے پوچھا جائے گا ﴿ما سلککم فی سقر﴾ (۸) تمہیں کس چیز نے جہنم میں پھینکوا دیا ہے، ان کا جو جواب ہوگا اللہ تعالیٰ نے

---

(۶) صحیح بخاری ج۱ص۸۰، (۷) جامع ترمذی ابواب الایمان باب ماجاء فی ترک الصلاة،

(۸) سورۃ المدثر۔ ۴۲،

قرآن میں اس کو نقل کیا ہے دل پہ ہاتھ رکھ کر سنو کہیں گے

﴿لم نک من المصلین﴾(۹)

ہم جہنم میں اس لئے چلے آئے کہ دنیا میں نمازی نہیں تھے، اقامت صلاۃ کے پابند نہیں تھے، مؤذن حی علی الصلاۃ وحی علی لفلاح کی آواز لگاتا ہم مسجدوں سے دور بھاگتے تھے ، ہوٹلوں میں بیٹھ کر گپ شپ کیا کرتے تھے۔ آگے بڑھنے سے پہلے ایک بات بیان کردوں۔ معلوم ہے؟ جب اذان ہوتی ہے تو مؤذن کی آواز اور مسجد سے کون بھاگا کرتا ہے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب شیطان کے کانوں میں مؤذن کی آواز ٹکراتی ہے تو اس پر یہ کلمات اتنے ثقیل ہوتے ہیں کہ وہ ہوا خارج کرتے ہوئے اتنی دور نکل جانا چاہتا ہے جہاں اس کے کانوں میں مؤذن کی آواز نہ پڑے۔ معلوم ہوا اذان کے وقت مسجد سے بھاگنا یہ مومن کا نہیں بلکہ شیطان کا کام ہے۔

برادران قوم وملت ! آج مسجدوں میں اذان ہو جاتی ہے۔ روزمرہ کے چند گنے چنے مصلی ہی موجود ہیں مسجدیں مصلیوں پہ ماتم کر رہی ہیں، مرثیہ پڑھ رہی ہیں۔ سچ کہا ہے علامہ اقبال نے ؎

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

حضرات! مسجد کی بلڈنگیں بلند سے بلند تر ہوتی جارہی ہیں۔ لیکن اس کو آباد کرنے والے موجود نہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ مسجدیں مصلیوں کی کثرت کی وجہ سے تنگی داماں کا شکوہ کرتیں۔ آج عالی شان مسجدوں میں چراغ لیکر ڈھونڈنے پر بھی مصلی نہیں ملتے۔

نبی ﷺ نے مسجدوں کی ایسی بے حرمتی کو قیامت کی نشانی بتایا ہے کیونکہ بندۂ خدا کی صفت تو یہ ہونی چاہئے کہ اس کا دل مسجدوں میں لٹکا رہے، ایک نماز پڑھی ہے دوسری نماز کا

(۹) سورۃ المدثر۔۴۳۔

انتظار ہے۔

اسے آپ نے رباط اور نفس کے ساتھ جہاد قرار دیا ہے اور ایسے ہی لوگوں کو یہ مژدہ جانفزا بھی سنایا ہے کہ روز محشر کو جب عرش الٰہی کے سایہ کے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کو اپنے عرش کے نیچے جگہ دیگا جن کی صفت امام کائنات ورحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کردی ہے ﴿رجل قلبه معلق فی المساجد﴾(۱۰)

کیونکہ اس دن سب سے پہلے جس چیز کا سوال ہوگا وہ یہی نماز ہوگی۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب بندۂ مومن کو قبر میں دفنایا جاتا ہے تو فرشتے آتے ہیں اسے بیدار کرتے ہیں، بیدار ہوتے ہی اس کے سامنے اس طرح کا وقت پیش کیا جاتا ہے گویا عصر کا وقت ختم ہو رہا ہے۔ یہ نمازی بندہ جس نے زندگی بھر مسجدوں میں حاضری دی، ہمیشہ نماز کی پابندی کی، بیدار ہوتے ہی کہے گا ''چھوڑو چھوڑو پہلے مجھے نماز پڑھ لینے دو میری نماز باقی ہے وقت نکلتا جارہا ہے تمہیں جو کچھ کہنا ہے نماز کے بعد کہنا'' اس کے یہ الفاظ سن کر فرشتے اسے اسی طرح لٹادیتے ہیں جس طرح نئی نویلی دلہن کو اس کے رشتہ دار لٹا کے چلے جاتے ہیں۔ یہ کون کہے گا؟ جس نے نماز پڑھی ہوگی۔ یہ ہے نماز کی اہمیت اور اس کی فضیلت جسے عماد الدین کہا گیا ہے۔ جس کے قیام پر دین کا قوام ہے اور جس کے انہدام سے دین منہدم ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ہمیں پکا سچا اور خالص نمازی بنائے۔ آمین یارب العٰلمین۔

و آخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين.

❖❖❖

---

(۱۰) صحیح مسلم ج۱، ص۳۳۱

اشکہائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

ان الحمد لله وحده و الصلاة و السلام على من لا نبي بعده واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له و اشهد ان محمدا عبده و رسوله امابعد

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم

﴿فليضحكوا قليلا وليبكوا كثيرا﴾(۱)

وقال النبي صلى الله عليه وسلم ﴿ان العين تدمع و القلب يحزن ولا نقول الا مايرضى ربنا و انا بفراقك يا ابراهيم لمحزونون﴾(۲)

وقال الشاعر

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے میرے عرق انفعال کے

باوقار صدر گرامی، ہمدردان قوم وملت اور دین متین کے شیدائیو!

آج کی اس نورانی محفل میں میں چاہتا ہوں کہ آپ حضرات کے سامنے ان مبارک اشکوں کا تذکرہ کروں جو اپنے اوز امت کے غم میں وقتاً فوقتاً چشم نبوی سے گرتے رہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو امت کے حق میں سراپا رحمت اور آپ کی زندگی کو ہمارے لئے رہتی دنیا تک لائق اتباع اور آئیڈیل قرار دیا ہے۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک پہلو ہمارے لئے لائق اعتنا ہے۔ چونکہ آپ ﷺ ہم جیسے ہی ایک انسان تھے، اور لازمی طور پر انسانی زندگی میں رنج وغم اور مسرت وشادمانی کا ورود ہوتا ہے اس لئے آپ کی حیات مبارکہ بھی مذکورہ صفات ومعمولات سے خالی نہیں تھی۔ پس آپ کی زندگی میں فرحت وانبساط کے ساتھ ساتھ ایسے حالات بھی پیش آئے جن کے تصور وتذکرہ سے دلوں میں رقت پیدا ہو جاتی ہے، طبیعت

(۱) سورہ توبہ (۸۲)، (۲) صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۴

اداس ہو جاتی ہے، آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ اور اگر پوری دقت نظری سے حیات طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ آشکارا ہو جائیگا کہ آپ کے صحیفۂ زندگی میں خندہ لبی کے مقابلہ میں گریہ وزاری کے واقعات زیادہ ہیں۔ یا یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ پیدائش سے لے کر تقریباً آپ کی پوری زندگی دکھوں و تکلیفوں اور رنج وغم سے بھری ہے۔ اور ان مصیبتوں میں بارہا آپ کی آنکھیں اشکبار ہوئی ہیں۔ چنانچہ آپ کی پیدائش یتیمی کی حالت میں ہوئی، بچپن ہی سے والد کی محبت وشفقت سے محروم رہے، دادا کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی، چھ سال کی عمر ہوئی تو والدہ کا بھی سہارا چھن گیا، چھ سال کا بچہ والدین کے سایہ سے محروم ہو گئے، تصور کیجئے کہ آپ کے دل پر کیا کیا حال گزرا ہوگا؟ آپ نے ان مصائب وآلام کو کیسے برداشت کیا ہوگا؟ نتیجتاً چشم نبوی آنسوؤں کے سیلاب میں ڈوبی ہوگی، دادا عبدالمطلب نے والدین کے لاڈ اور پیار سے محروم بچے کو سہارا دینے کی بھرپور کوشش کی لیکن یہ سہارا بھی خدا کو زیادہ دنوں تک منظور نہ تھا، دو سال اور بڑے ہوئے تو آٹھ سال کی عمر ہوئی، دادا بھی آپ کو اس دنیا میں اکیلا چھوڑ کر فوت ہو گئے، چچا ابو طالب نے تب آپ کو اپنے سایۂ عاطفت میں لیا اور جب تک زندہ رہے آپ کو ہر طرح کی مصیبتوں سے بچانے کی کوشش کرتے رہے۔ پچیس سال کی عمر ہوئی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی اور پچیس سال آپ کی رفاقت میں رہیں۔ آخر کار ۱۰؁ نبوت کو آپ پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور آپ کے مشفق چچا، ہمیشہ ہر مصیبت میں کام آنے والے چچا حالت کفر میں ہی دنیا سے رخصت ہو گئے، چچا ابو طالب کی وفات سے نبی ﷺ کو بہت زیادہ تکلیف پہونچی اور مایوسی ہوئی، آنکھیں ہمیشہ نم رہنے لگیں اور ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ یہ زخم ابھی مندمل بھی نہیں ہوا تھا کہ آپ کی وفا شعار بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو ہر موڑ پر آپ کو ہر طرح کا دلاسہ دلایا کرتی تھیں آپ کو محزون ومغموم چھوڑ کر عالم آخرت کو سدھار گئیں۔ ان جاں کاہ صدمات سے آپ اتنے زیادہ غم زدہ رہنے لگے، آپ کی آنکھیں اس قدر اشکبار ہوئیں کہ تاریخ میں اس سال کو عام الحزن یعنی غم کے سال سے یاد کیا جانے لگا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے چار لڑکیاں زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ

رضی اللہ عنہن اور دولڑکے قاسم وعبداللہ پیدا ہوئے۔لیکن دونوں بچے بچپن میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے،ایک تیسرے بچے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے لیکن ڈیڑھ سال کے بعد یہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔جب یہ نزع کے عالم میں تھے آپ کو خبر دی گئی آپ آئے اور اپنے شیر خوار لخت جگر کو گود میں اٹھالیا، بچہ آخری سانس لے رہا تھا جاں کنی کے عالم میں درد سے تڑپ رہا تھا،ان کی تکلیف دیکھ کر آپ سے رہا نہ گیا،چشم مبارک سے زاروقطار آنسو جاری ہو گئے اور بے اختیار زبان سے یہ کلمات ادا ہونے لگے

﴿ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا مایر ضی ربنا وانا بفراقک یا ابراھیم لمحزون﴾ (۳)

آنکھیں نم ہیں دل میں غم ہے،پھر بھی ہم وہی کہتے ہیں جو رب کو پسند ہے،اے ابراھیم ہم تیری جدائی سے مغموم ہیں۔پوچھنے والے نے پوچھا اللہ کے رسول یہ کیا ہے؟ فرمایا ''یہ رحم کے آنسو ہیں جس کے دل میں بھی جذبۂ ترحم ہوگا اس کی آنکھوں سے اسی طرح آنسو کی جھڑیاں موتی کی لڑیاں بن کررواں دواں ہوتی رہیں گی۔سچ کہا ہے علامہ اقبال نے ؎

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے میرے عرق انفعال کے

شمع رسالت کے پروانو! یہ وہ آنسو تھے جو چشم نبوی سے اپنے اور اپنے دیگر رشتہ داروں کے غم میں جاری ہوئے۔امت کے غم میں بھی آپ اکثر پریشان رہتے اور راہ خدا میں خلق خدا کے غم میں روتے رہتے۔چنانچہ بئر معونہ کے سانحے کی خبر پا کر چشم مبارک اشکوں کی لڑیاں پرونے لگیں۔حضرت زید بن حارثہ،حضرت خبیب،حضرت مصعب بن عمیر،حضرت جعفر طیار،حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سمیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شہادت کی خبر پا کر آپ کی آنکھوں سے اس قدر آنسو جاری ہوئے کہ پورا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ گیا اور جب

---

(۳) صحیح بخاری ج ۱، ص ۱۷۴۔

سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت اور مُثلہ شدہ لاش کو دیکھا تو حزن وملال سے بھری ہوئی چشم مبارک سے جو آنسو جاری ہوئے تو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے، روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتیں، گویا ہانڈی ابل رہی ہو، اتھاہ سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہو۔ سچ کہا ہے کسی شاعر نے ؂

کبھی کچھ درد رہتا ہے کبھی کچھ سوز رہتا ہے
ہمارے دل پہ صدمہ اک نہ اک ہر روز رہتا ہے

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ہمیں آپ کے اسوہ حسنہ کے اقتداء کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

❖❖❖

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو

الحمد لله رب العالمين و الصلاة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين و اشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له و اشهد ان محمدا عبده و رسوله اما بعد

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم

﴿لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة﴾(۱)

وقال النبي صلى الله عليه وسلم﴿عينان لا تمسهما النار عين بكت من خشية الله و عين باتت تحرس في سبيل الله﴾(۲)

لائق صد احترام صدر مجلس، محترم حاضرین اور دین متین کے شیدائیو! آج کی اس محفل میں میرا موضوع خطاب ہے ''رسول ﷺ کے آنسو''

حضرات! ازل سے قدرت کا یہ دستور رہا ہے کہ اپنے محبوب بندوں کو جن سے اصلاح امت کا کام لینا ہوتا ہے، طرح طرح کی مصیبتوں و آزمائشوں اور آلام ومصائب کے خارزاروں سے گزارتی ہے۔ پہلے غموں سے قلب میں گداز پیدا کیا جاتا ہے تاکہ دوسروں کے دکھ درد کا احساس ہو، انسیت اور غم خواری کا جذبہ پیدا ہو۔ اسی اصول اور دستور کے تحت نبی کریم ﷺ کو پیدا کیا تو بار نبوت کے تحمل سے پہلے آپ کو کئی طرح کی مصیبتوں سے سابقہ پڑا، زندگی کے ہر موڑ پر تکلیفوں کو برداشت کرنے کا عادی بنایا۔ تاکہ آگے چل کر امت کے غم و تکلیف کو سمجھ سکیں ان کے دکھ درد میں شریک ہوسکیں اور لوگوں کے سامنے آپ کی زندگی ایک آدرش اور نمونہ ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم بنا کر پیدا کیا تاکہ دنیا کے تمام یتیموں کے احوال وامور کا آپ کو بخوبی اندازہ ہو۔ چنانچہ چھ سال کی عمر میں والدہ ساتھ چھوڑ گئیں، آٹھ

(۱) سورہ احزاب (۲۱)، (۲) جامع ترمذی ابواب فضائل الجہاد باب ماجاء فی فضل الحرس

سال کی عمر میں دادا کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ الغرض شروع سے ہی آپ مصائب وصدمات میں مبتلا رہے۔ اور انسانیت کی فطرت میں یہ عنصر شامل ہے کہ جب دل کو ٹھیس پہنچتی ہے، دل درد و مصیبت میں تڑپتا ہے تو اس کا اثر چہرے پر نمایاں ہو جاتا ہے۔ پس جب جب آپ پر غموں کا پہاڑ ٹوٹا چشم مبارک سے سیل اشک رواں ہوئے اور تقریباً پوری زندگی آپ کی آنکھوں پر اشکوں کی موتیاں چمکتی رہیں، جو آب وتاب میں ہمیشہ ترقی پذیر رہیں۔ آپ ﷺ جب چالیس سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز کئے گئے تو جو دوست تھے وہ بھی دشمن ہو گئے، جو غم خوار تھے اب ضرر رساں بن گئے۔ اسی دوران دنیا کی تاریخ کا سب سے بڑا اور بھیانک بائیکاٹ کا زمانہ بھی آپ کو گزارنا پڑا۔ جب آپ کا گھرانہ درختوں کی چھال اور پتیاں کھا کر زندگی گزارنے پر مجبور ہوا۔ خود تو کسی حد تک برداشت کر جاتے مگر جب بھوک سے بلبلاتے اور تڑپتے بچوں کی گریہ زاری وسسکیاں کانوں میں پڑتی تو آپ ماہی بے آب کی طرح تڑپنے پر مجبور ہو جاتے اور آنکھوں سے آنسو کے دھارے بے اختیار رواں ہو جاتے، روتے روتے رخسار بھیگ جاتا، زمین تر ہو جاتی۔ راہ خدا میں اتنا دکھ اتنی ساری مصیبت برداشت کی لیکن پھر بھی کبھی لب پہ حرف شکایت نہ آنے دیا۔ ان حالات میں آپ کو سب سے زیادہ جن لوگوں کی ہمدردی وغمگساری حاصل رہی ان میں سے ایک آپ کے شفیق چچا اور دوسرے وفا شعار بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہ دونوں جب تک زندہ رہے ہر طرح کی مصیبت میں آپ کو ڈھاڈھس بندھاتے رہے، لیکن اچانک ۱۰ نبوت کو آپ پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور یکے بعد دیگرے دونوں حمایتی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان دونوں حامیوں کی وفات سے خصوصاً حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رحلت سے آپ کو اتنا غم اور صدمہ لاحق ہوا کہ چشم نبوی ہمیشہ آنسوؤں سے تر رہنے لگی، دل مضطرب و پریشان رہنے لگا۔ وفات کے بعد جب بھی آپ کو اپنی وفا شعار بیوی کی یاد آتی دل بھر آتا، آنکھیں ڈب ڈبا جاتیں۔ جنگ بدر میں آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے جب اپنے شوہر کے فدیہ میں اپنی ماں خدیجہ کا دیا ہوا ہار بھیجا اور نبی ﷺ کے آگے پیش کیا گیا تو[۱۲] ہار کو دیکھ کر آپ کی آنکھیں بھر

آئیں چشم مبارک سے جھر جھر آنسو گرنے لگے اور جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کا وقت آیا، حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سیدہ فاطمۃ الزہرا کو لینے آئیں۔ بیٹی کی رخصتی ہورہی ہے، باپ کا دل رورہا ہے۔ ایسے حالات میں اچانک حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زبان پر یہ فقرہ جاری ہوجاتا ہے ''کاش! خدیجہ آج بیٹی فاطمہ کی رخصتی کے موقع پر زندہ ہوتیں'' یہ سننا تھا کہ آپ کے ضبط وتحمل کا باندھ ٹوٹ گیا، آنکھیں موسلادھار بارش برسانے لگی، زبان پر یہ کلمات جاری ہوگئے

﴿خدیجة و این مثل خدیجة صدقتنی وار زقتنی علی دین اللہ و اعا نتنی علیه بما لها﴾.

محترم سامعین! حضرت زینب کا ایک بچہ سکرات کے عالم میں تھا۔ نبی ﷺ کو خبر دی گئی۔ آپ ﷺ نے صبر سے کام لینے کی نصیحت کی۔ دوبارہ آپ کو قسم دیکر بلایا گیا، آپ چند اصحاب کے ہمراہ ان کے گھر تشریف لے گئے، بچہ آپ کے گود میں رکھا گیا۔ اُف بچہ نزع کی حالت میں آخری سانس لے رہا تھا، اب جان نکلی کہ تب نکلی، چہرہ پیلا پڑ گیا، ایسا لگ رہا تھا جیسے جسم کا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو، سانسیں پھول رہی تھیں۔ آپ سے رہا نہ گیا، چشم مبارک سے زاروقطار آنسو جاری ہوگئے۔ کسی شاعر نے کیا حسین پیرائے میں ترجمانی کی ہے۔

یہ پرانوار آنکھیں اشک کی لڑیاں پروتی تھیں
خدا کے سامنے خَلقِ خدا کے غم میں روتی تھیں

برادران اسلام! اور تو اور جب کفار مکہ کے ظلم وستم سے آپ عاجز آگئے۔ ہر چہار جانب سے آپ کو مشقِ ستم بنایا جانے لگا۔ رب کائنات کی جانب سے رحمت کائنات کو حکم ہوا ''اے محمد آپ مکہ چھوڑ کر مدینہ کی جانب ہجرت کرجایئے'' خدا کا حکم ملنا تھا کہ رات کے اندھیرے میں مدینہ کے قصد سے نکل گئے۔ ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ کچھ دور نکلے، اپنا آبائی وطن چھوٹ رہا ہے، جن جگہوں پر جوانی گزر گئی، بڑھاپے میں انھیں جگہوں سے نکالے جارہے ہیں، قدم بھاری ہے دل رورہا ہے۔ آخری بار مکہ کی جانب نگاہ اٹھا کر

دیکھا اور فرمایا ''اے مکہ تو مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے مگر تیرے فرزند مجھے رہنے نہیں دیتے''۔ یہ کلمات آپ کی زبان سے نکل رہے تھے اور آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔

برادران قوم وملت! یہ اشکہائے نبوی خوف آخرت اور خشیت الٰہی میں بھی رواں دواں رہا کرتے تھے۔ چاہے وہ نماز کی حالت ہو یا جنت البقیع جا کر مرحومین کیلئے دعاءِ خیر کرنے کی یا پھر قبر کا منظر دیکھ کر رقت طاری ہونے کی یا حضرت عبداللہ بن مسعود سے

﴿فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید وجئنا بک علی هؤلاء شهیدا﴾ (۳)

کی تلاوت سننے کی۔ الغرض ہمیشہ آپ

﴿عین بکت من خشیة الله وعین باتت تحرس فی سبیل الله﴾

کی کیفیت سے متأثر رہا کرتے تھے۔ جس کی تصویر علامہ اقبال کے اس شعر میں دیکھی جا سکتی ہے۔

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعاء گو ہوں کہ الٰہ العالمین ہمیں رہبر کامل کے اسوہ کے اقتدا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

❖❖❖

(۳) سورہ النساء (۴۱)

خطبۂ جمعہ:

ماہ رمضان اور روزہ

ان الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلل فلا هادى له و أشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريک له و أشهد ان محمدا عبده و رسوله

امابعد.

فان اصدق الحديث كتاب الله و احسن الهدى هدى محمد ﷺ و شر الامور محدثاتها و كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة و كل ضلالة فى النار.

فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم

﴿ق والقرآن المجيد﴾ الخ وقال جل و علا فى موضع آخر

﴿يا ايها الذين آمنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون اياماً معدودات﴾(١)

وقال النبى ﷺ ﴿من صام رمضانَ ايماناً و احتساباً غُفِرَ له ما تقدم من ذنبه﴾ (٢)

رب اشرح لى صدرى و يسرلى امرى و احلل عقدة من لسانى يفقهوا قولى ، رب يسر ولا تعسر و تمم بالخير ، رب زدنى علما ، سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العليم الحكيم.

برادرانِ ملت، حاضرین جمعہ، بزرگو اور دوستو و اسلامی بھائیو! آج کے خطبہ جمعہ میں آپ حضرات کے سامنے ایک ایسی عبادت کے بارے میں تفصیلی گفتگو کرنا چاہتا ہوں

---

(۱) سورۃ البقرہ۔۱۸۳،۱۸۴،   (۲) صحیح بخاری ج۱،ص ۲۵۵، باب صوم رمضان احتساباً من الایمان،

جس کے اجر دینے کی نسبت اللہ رب العالمین نے بطور خاص اپنی جانب کی ہے۔

رمضان المبارک امت محمدیہ کیلئے گونا گوں خوبیوں اور سعادتوں کا مہینہ ہے، خیر و برکت اور رحمت و مغفرت کا مہینہ ہے، ہمدردی وغم گساری اور اخوت و بھائی چارگی کا مہینہ ہے۔ جس مہینہ کی عظمت وفضیلت کا بیان خود پروردگار عالم اللہ رب العزت نے کیا ہے

﴿شهر رمضان الذی انزل فيه القرآن هدى للناس﴾ (۳)

کہ رشد و ہدایت اور انسانی زندگی کیلئے نظام حیات قرآن مجید کا نزول اسی بابرکت مہینہ کے اندر کیا گیا ہے۔ اگر اس مہینہ کے روزہ کو اللہ تعالیٰ امت مسلمہ پر فرض نہ بھی کرتا پھر بھی اس مہینہ کی عظمت وفضیلت کیلئے یہ کافی تھا کہ اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید کا نزول فرمایا۔ لیکن اس مہینہ کے روزہ کو امت محمدیہ پر فرض کر کے اس نے اس مہینہ کی عظمت و فضیلت کو مزید دوچند و دوبالا کر دیا اور اس مہینہ کے اندر روزے کی فرضیت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا

﴿یا ایها الذین آمنو اکتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون﴾

کہ اے ایمان والو! تمہارے لئے اس مہینہ کے روزے کو فرض قرار دیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے کے لوگوں پر بھی روزہ فرض قرار دیا گیا تھا۔ تم یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بار گراں ہمارے اوپر ہی لاد دیا ہے بلکہ ہر زمانہ میں ہر قوم کے اوپر اس فریضہ کی ادائیگی کو ہم نے واجب قرار دیا تھا۔ اور آج بھی اس متمدن دنیا کی سبھی قومیں اس عبادت کو انجام دیتی ہیں۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ ہر ایک قوم کے روزہ رکھنے کا طریقہ الگ الگ ہے۔ چنانچہ کوئی صرف مأکولات سے گریز کر کے مشروبات پر ہی اکتفا کرتا ہے تو کوئی مسلسل کئی روز تک صرف ہلکی پھلکی چیزیں کھا کر ہی گزارا کرتا ہے۔ الغرض ہر قوم کے اندر اس عبادت کا تصور ہے اور اسے نیکی کا کام سمجھ کر انجام دیتی ہے۔ لیکن اسلام کے اندر روزہ کا تصور اور اس کی اعلیٰ تعلیمات ہر قوم کے روزہ سے بلند و بالا ہے۔ اور اس کے دوررس نتائج سے ہر

(۳) سورۃ البقرہ ۱۸۵

صاحب عقل وخرد بہرہ ور ہے۔ چنانچہ اسلام نے اپنے متبعین کے سامنے روزہ کی جو شکل پیش کی ہے کہ بندہ صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک تمام مأ کولات ومشربات، خواہشات نفس، لغو و باطل اور لہو ولعب اعمال سے پرہیز کرے۔ دنیا کے کسی قوم کے اندر روزہ کا ایسا پاکیزہ تصور نہیں ملتا۔ ان چند گھنٹوں کے اندر بندہ مأ کولات ومشروبات سے گریز کرتا ہے، بھوک و پیاس کی شدت محسوس کرتا ہے تو اس کا نفس بیدار ہو جاتا ہے اور قلب میں یہ داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ محض چند گھنٹوں کی بھوک سے ہمیں اتنی مشقت اور تکلیف ہو رہی ہے تو سال کے گیارہ مہینوں میں فقراء ومساکین جنہیں دو وقت کی روٹی نصیب نہیں، سر چھپانے کو چھت نہیں، کیسی کیسی مصیبتوں کو برداشت کرتے ہوں گے۔ ان دنوں میں ہمارا یہ فرض بنتا ہے کہ ہم ان کے دکھ و درد کو سمجھیں اور مصیبت میں ان کا ہاتھ بٹائیں، ان کی ہر ممکن مدد کریں۔ اسی لئے اس مہینہ کا دوسرا نام "شهر المواسات" اور "شهر الصبر" بھی ہے۔ کہ یہ مہینہ غم خواری و غمگساری اور صبر وتحمل کا مہینہ ہے کہ روزے دار بھوک و پیاس کی شدت پر صبر کرتا ہے، افطار کے وقت دستر خوان پر انواع واقسام کی لذیذ اشیاء موجود ہیں، طبیعت کھانے کیلئے مچل رہی ہے لیکن روزہ دار ہے کہ رضاء الٰہی کی خاطر صبر کرتا ہے اور غروب آفتاب تک ایک دانہ بھی حلق میں ڈالنا گوارا نہیں کرتا۔ یہ اس روزے کی اعلیٰ تعلیم ہے کہ روزہ دار کے نفس امّارہ کو مغلوب کر دیتا ہے، ذہن کو فحش اور برائی سے پھیر دیتا ہے، قوت بہیمیہ کو مغلوب کر کے قوت ملکیہ کا سکہ دل ودماغ پر ثبت کر دیتا ہے اور اس کے اندر تقوی شعاری کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ آگے اللہ تعالیٰ نے اس روزے کی فرضیت کا مقصد بھی نہایت ہی صاف لفظوں میں واضح کر دیا ﴿لعلكم تتقون﴾ تا کہ تم متقی و پرہیز گار بن جاؤ۔ یعنی اس ایک مہینے کی ٹریننگ سے تمہارا دل اس قدر تقوی شعار اور پاک صاف ہو جانا چاہئے کہ اس کا اثر سال کے باقی گیارہ مہینوں میں بھی نمایاں رہے۔ پس اگر ہم اس ایک مہینہ کی ٹریننگ سے اپنے رب کو راضی نہ کر سکے، اپنے گناہوں کی بخشش نہ کرا سکے، اپنے اندر تقوی شعاری نہ پیدا کر سکے تو سمجھ جانا چاہئے کہ ہمارے روزے کے اندر ہی کوئی نقص ہے اور ہمارا روزہ بارگاہ الٰہی میں شرف

قبولیت کے درجہ تک نہیں پہنچا ہے۔ ورنہ رب العالمین کا کلام جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی صاف لفظوں میں بیان کر دیا ہے کہ روزہ کی فرضیت کا مقصد صرف اور صرف تمہارے اندر تقوی وللٰہیت کے جذبات کو برانگیختہ کرنا ہے۔

معزز سامعین کرام! لیکن افسوس کہ آج ہماری حالت بالکل برعکس ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم اس ایک مہینہ کی ریاضت سے سال بھر اپنے اندر تقوی و پرہیز گاری کو زندہ رکھیں۔ خود اسی مہینہ کے حقوق اور اس کے مقتضیات سے غافل ہیں۔ اور دیگر مہینوں کی طرح اس بابرکت مہینہ کے اندر بھی ہماری روش میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم دن بھر بھوکے و پیاسے تو رہ جاتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ ہر اس برائی کا ارتکاب بھی کرتے ہیں جو روزہ کے عظیم مقاصد کے منافی ہیں۔ ہماری رگ رگ میں گناہیں اس قدر رچ بس گئیں ہیں اور ہم گناہ کے اس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ اس ماہ مبارک میں شیطان رجیم کے مقید ہونے کے باوجود بھی ہماری گناہوں کی رفتار میں کوئی کمی نہیں آتی۔ ہم نے شیطان کا کام ہلکا اور آسان کر دیا ہے۔ اب لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے انہیں زیادہ غور و فکر اور آزاد رہنے کی ضرورت نہیں پڑتی، لوگ خود اس کی منشا نہایت آسانی سے پوری کر دیتے ہیں۔ جس طرح ایک سائیکل سوار نہایت تیز رفتاری سے سائیکل چلاتے چلاتے اچانک پیڈل مارنا بند بھی کر دے پھر بھی سابقہ رفتار کی بنا پر اس کی سائیکل کچھ دور نکل ہی جاتی ہے، اسی طرح سال بھر گناہ کرتے کرتے ہم گناہ کے اس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ اس ایک مہینہ میں شیطان کے مقید ہونے کے باوجود ہماری گناہ کی پرانی رفتار باقی رہ جاتی ہے۔ اور شیطان کے مقید ہونے کا ہماری بداعمالیوں پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے نیک بندوں کیلئے نیکی کے اتنے دروازے کھول رکھے ہیں کہ بندے کو صرف ان منتشر نیکیوں کو اپنے دامن میں سمیٹنا ہے۔ چاہے وہ تلاوت کلام پاک کے ذریعہ ہو یا صدقہ وخیرات کے ذریعہ، صلہ رحمی کے ذریعہ ہو یا روزہ داروں کو افطار کرانے کے ذریعہ، لیلۃ القدر میں شب بیداری کے ذریعہ ہو یا عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف کے ذریعہ، نماز تراویح کے ذریعہ ہو یا صدقۂ فطر کے ذریعہ کیونکہ اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے

نیکیوں کا گریڈ بڑھا دیتا ہے اور خالص رضاءِ الٰہی کی خاطر روزہ رکھنے والوں کو خوش ہوکر اپنے ہاتھ سے بذات خود ان کا اجر عظیم دیتا ہے۔ اور ظاہر ہے جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہو جائے اور اپنے ہاتھ سے بدلہ دے تو پھر اس بدلہ کی کوئی حد اور مقدار متعین نہیں کی جا سکتی چنانچہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

﴿کل عمل ابن آدم يضاعف الحسنة عشر امثالها الى سبع مائة ضعف قال الله عزوجل الا الصوم فانه لي وانا اجزي به يدع شهوته وطعامه من اجلي﴾ (۴)

''ابن آدم کے عملوں کا بدلہ دس گنا سے لیکر سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے سوائے روزے کے۔ روزہ بندہ میرے لئے رکھتا ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دونگا کیونکہ اس نے صرف میری رضاء کی خاطر کھانے پینے اور شہوت نفس کو ترک کیا ہے''۔ سوال اٹھتا ہے کہ بندہ اپنا ہر عمل اللہ تعالیٰ کیلئے ہی کرتا ہے اور اپنے عمل پر اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید بھی کرتا ہے تو پھر صرف روزہ کیلئے ہی کیوں کہا گیا ﴿فانه لي وانا اجزي بـــه﴾ تو سن لو کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کو کھانے پینے کی ضرورت نہیں ہوتی ٹھیک اسی طرح بندے چند گھنٹے بھوکے رہ کر اپنے اندر ملکوتی صفات کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ نیز دوسرے عبادات کے اندر تو ریاء ونمود کا شبہ ہوسکتا ہے لیکن روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کے اندر کسی بھی طرح کا ریاء ونمود نہیں ہوتا۔ سامنے کھانا رکھا ہوا ہے، پیٹ بھوک سے قل ھواللہ پڑھ رہا ہے سامنے اور آس پاس کوئی دیکھنے والا بھی موجود نہیں ہے پھر بھی ایک دانہ تک حلق میں ڈالنا گوارہ نہیں۔ کیونکہ بندہ نے جس کی رضاء کی خاطر روزہ رکھا ہے اس کی نگاہ برابر اس کے اوپر ہے، صرف خوف الٰہی خواہشات نفس کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ بن رہا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿الصوم لي وانا اجزي به﴾

ملت اسلامیہ کے پاسبانو! یہ روزہ میدان محشر میں جہاں ہر کوئی نفسی نفسی کے عالم میں ہوگا، روزہ دار کیلئے سفارشی بن کر کھڑا ہو جائیگا۔ اور رب کی بارگاہ میں عرض کریگا کہ

---

(۴) صحیح مسلم ج۱، ص ۳۶۳

پروردگارا! تیرے اس بندے کو میں نے کھانے پینے اور خواہشات نفس کی تکمیل سے روکے رکھا تھا۔ لہٰذا اس کے بارے میں میری سفارش قبول فرما۔ چنانچہ اس کی سفارش قبول کی جائیگی اور یہی روزہ اس کے لئے ذریعۂ نجات بن جائیگا۔ چنانچہ حدیثوں میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ روزہ دار کیلئے جنت میں ایک دروازہ خاص کردے گا جس کا نام ریّان ہے۔

جس میں صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے کسی دوسرے کو اس دروازہ سے داخل ہونے کی سعادت نصیب نہ ہوسکے گی (۵) یہ بشارت اور خوشخبری ان لوگوں کیلئے ہے جنہوں نے حقیقی معنی میں رضاء الٰہی کی خاطر صبر وشکر کا مظاہرہ کیا، اس کے مقتضیات کو سمجھا اور پھر انہیں عملی جامہ پہنانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان اور اس کی رحمت سے ثواب ومغفرت کی امید لگاتے ہوئے روزہ رکھنے والوں کیلئے نبی ﷺ کا یہ فرمان آب زر سے لکھنے کے قابل ہے ﴿من صام رمضان ایماناً و احتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه﴾ کہ جس نے اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان اور اس سے ثواب ومغفرت کی امید لگاتے ہوئے روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ لہٰذا بہت ہی بدنصیب اور محروم ثواب ہوگا وہ شخص جس نے رمضان المبارک جیسا بابرکت اور رحمت ومغفرت والا مہینہ پایا اور اس کے اندر نیکیوں میں منہمک ہوکر اپنے گناہوں کی بخشش نہ کرا سکا اور

﴿ان الحسنات یذھبن السیئات﴾ (٦)

کے فارمولے کو یونہی بیکار جانے دیا، کثرت سے خیر وبرکت کے کاموں میں اپنے کو منہمک کر کے سرزد ہوئی خطاؤں اور لغزشوں کی معافی نہ کرا سکا۔ نبی ﷺ نے ایسے عیش پرستوں اور نفس کے بندوں کیلئے ہلاکت وبربادی کی دعا کر رکھی ہے۔ حضرت کعب بن عُجرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا منبر لاؤ، ہم منبر لے آئے۔ جب آپ پہلی سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا'' آمین''، پھر جب دوسری سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا'' آمین'' اور جب تیسری سیڑھی پر آپ نے قدم رکھا تو پھر فرمایا'' آمین''۔ جب آپ

---

(۵) متفق علیہ صحیح بخاری ج۱، ص۲۵۴، صحیح مسلم ج۱، ص۳۶۴، (٦) سورہ ھود۔۱۱۴

ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے آج آپ سے ایسی بات سنی جو اس سے پہلے کبھی نہ سنی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اس آدمی کیلئے ہلاکت ہو جس نے رمضان المبارک کا مہینہ پایا اور اعمال حسنہ کے ذریعہ اپنے گناہوں کی بخشش اور معافی نہ کرا سکا میں نے جواب میں کہہ دیا ''آمین'' اے اللہ تو قبول کر لے، پھر جب میں دوسری سیڑھی پر چڑھا تو حضرت جبریل نے کہا کہ اس شخص کیلئے بھی ہلاکت ہو جس کے سامنے آپ کا تذکرہ کیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے، میں نے اس کے جواب میں کہہ دیا ''آمین'' اے اللہ تو قبول فرما لے، پھر جب میں نے تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے ماں باپ یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور ان دونوں کی خدمت کر کے اپنے آپ کو جنت کا مستحق نہ بنا سکا اس کے لئے بھی ہلاکت ہو میں نے اس کے جواب میں بھی کہہ دیا ''آمین'' رب العالمین تو اسے بھی قبول فرما لے (۷)

برادران قوم وملت! حد درجہ افسوس کی بات ہے کہ اس زمانہ میں لوگ روزہ کی اس قدر اہمیت وفضیلت کے باوجود اس کا پاس ولحاظ نہیں رکھتے۔ کھلے عام علانیہ اس کے حرمت و تقدس کو پامال کرتے رہتے ہیں اور بڑی ڈھٹائی سے روزہ خوری کے جرم میں ملوث رہتے ہیں۔ ان کی عبرت کیلئے ایک حدیث بیان کر رہا ہوں دل پہ ہاتھ رکھ کر روزہ خوروں کے اخروی انجام کے بارے میں غور کیجئے گا۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ میں سو رہا تھا۔ اس حالت میں میرے پاس دو آدمی آئے۔ انہوں نے میرے بازو پکڑے اور ایک دشوار گزار پہاڑ کے پاس لے گئے اور کہا کہ چڑھو میں نے کہا کہ میں نہیں چڑھ سکوں گا تو ان دونوں نے کہا کہ ہم آپ کیلئے اس چڑھنے کے عمل کو آسان کر دیں گے۔ تو میں ان کی مدد سے چڑھا یہاں تک کہ میں اس پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ گیا۔

---

(۷) صحیح الترغیب والترھیب للالبانی ج ۱، رقم الحدیث ۹۸۵

وہاں چیخ وپکار کی آوازیں آرہی تھیں۔ میں نے سوال کیا کہ یہ کیسی آوازیں آرہی ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ یہ جہنمیوں کی چیخ وپکار ہے۔ پھر مجھے آگے لے جایا گیا اور میں ایسے لوگوں کے پاس پہنچا جو الٹے لٹکائے ہوئے تھے۔ ان کے جبڑے پھٹے ہوئے تھے اور ان سے خون بہہ رہا تھا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے سوال کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو جواب دیا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ حلال ہونے سے پہلے روزہ افطار کرلیا کرتے تھے یعنی دن میں کھاتے پیتے تھے (۸) یہ ہے روزہ خوروں کا اخروی انجام۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی رمضان میں بغیر عذر شرعی کے ایک دن کا بھی روزہ ترک کردے گا اگر وہ پورا زمانہ روزہ رکھتا ہے پھر بھی اس کی تلافی نہ ہوسکے گی (۹) ہاں البتہ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو شریعت نے معذور سمجھ کر روزہ نہ رکھنے کی رخصت دی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اصول ہے ﴿لایکلف اللہ نفسا الا وسعها﴾ (۱۰) اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ عمل کا مکلّف نہیں کرتا۔ بلکہ اس نے دین کو ان کیلئے آسان اور سہل بنادیا ہے۔ چنانچہ حیض ونفاس والی عورتوں سے اس نے روزہ کو بروقت معاف کردیا اور بعد میں اس کی قضا کا حکم فرمایا، حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کو روزہ چھوڑنے کی رخصت دے دی اور بعد میں صرف قضا کو واجب کیا، سفر یا جہاد میں بھی مشقت کی بنا پر روزہ چھوڑنے کی رخصت دی اور بعد میں قضا کرلینے کو کافی قرار دیا۔ اور اگر کوئی بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گیا ہو روزہ رکھنے کی جسم کے اندر طاقت نہ ہو یا اتنے مہلک مرض میں مبتلا ہو چکا ہو کہ شفایابی کی امید ختم ہو چکی ہو تو روزہ رکھنے کے بجائے فدیہ ادا کیا جاسکتا ہے۔ واضح ہو کہ ہر روزہ کے بدلے فدیہ کے طور پر اسے ایک مسکین کو کھانا کھلانا مشروع قرار دیا گیا ہے۔

محترم حاضرین! الغرض اللہ تعالیٰ کا روزہ کی فرضیت کا مقصد بندوں کو حرج اور تنگی میں مبتلا کرنا نہیں ہے کہ وہ بندوں کو پریشان کرنا چاہتا ہو، بلکہ ان کی مغفرت اور جنت میں

---

(۸) صحیح الترغیب والترھیب للالبانی ج۱، رقم الحدیث ۹۹۵

(۹) صحیح بخاری ج۱،ص ۲۵۹۔ تعلیقاً عن ابی ہریرہ ورفعہ، باب اذا جامع فی رمضان، (۱۰) سورۃ البقرہ۔۲۸۶،

انہیں بلندئ درجات کا عطا کرنا ہے۔اسی وجہ سے اس نے صبح صادق سے ٹھیک پہلے سحری کھانے کو مشروع قرار دیا۔تاکہ بھوک و پیاس کی تکلیف کا احساس کم ہو اور غروب آفتاب کے بعد فوراً افطار کرنے کا حکم دیا، معذوروں کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت دی اور

﴿یاایھاالذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون﴾

کے بعد حوصلہ افزائی اور تسلی کے طور پر ﴿ایاماً معدودات﴾ کا جملہ استعمال کیا کہ محض گنتی کے چند دن ہیں جن میں تمہیں روزہ رکھنا ہے۔اسی کو اگر اس اسلوب کے ساتھ کہتا کہ تمہیں مکمل ایک مہینہ یعنی تیس دن تک بھوک و پیاس سے مرنا ہے، دن بھر کھانے پینے کی گنجائش نہیں تو یہی چیز نفسیاتی طور پر ہمارے اوپر گراں گزرتی اور ہماری حوصلہ شکنی ہوتی۔ لیکن اس نے بہترین طرز اور اسلوب کے ساتھ ﴿ایاما معدودات﴾ کہہ کر ہمیں تسکین دلائی اور اس کے بدلے بیش بہا انعامات و گراں قدر جوائز سے سرفراز کرنے کا وعدہ فرمایا۔اور نیکی کمانے کے اتنے زیادہ ذرائع مہیا کردئے کہ دوسری کسی عبادت اور دوسرے کسی مہینہ میں یہ نوازش اور کرم فرمائی نہیں ہوتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کے اندر ایک ایسی رات ہمیں مرحمت فرمائی ہے جس کے بارے میں خود اس کا ارشاد ہے

﴿لیلۃ القدر خیر من الف شھر﴾ (۱۱)

کہ لیلۃ القدر کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔اللہ تعالیٰ نے برابر نہیں کہا بلکہ کہا کہ شب قدر کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے ''بہتر'' ہے۔اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

﴿من قام رمضان ایماناً و احتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه﴾(۱۲)

کہ جس نے شب قدر میں ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے قیام کیا اس کے گذشتہ تمام گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔لہٰذا بہت ہی بدنصیب اور محروم ہوگا وہ شخص جو

---

(۱۱) سورۃ القدر۔۳، (۱۲) صحیح بخاری ج۱، ص۲۵۵

لیلۃ القدر کی سعادت حاصل کرنے سے محروم رہ گیا۔آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں

﴿ان ھذا الشھر قد حضر کم و فیه لیلةٌ خیرٌ من الف شھر من حُرِمَھا فقد حُرِمَ الخیرَ کُلَّه' ولا یُحرَم خیرَھا اِلَّا کلُّ محروم﴾ (۱۳)

کہ یہ جوتم پر مہینہ آیا ہے اس میں ایک ایسی رات ہے جس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے جو شخص اس کی سعادت حاصل کرنے سے محروم رہ گیا وہ ہر بھلائی سے محروم رہا (صرف لیلۃ القدر کی سعادت سے ہی محروم نہیں رہے گا) نیز لیلۃ القدر کی سعادت سے صرف بدنصیب ہی محروم کیا جاتا ہے۔ یہ ہے اس مہینہ کی برکت وفضیلت اوراس مہینہ کے اندراللہ تعالیٰ کا روزہ کوفرض کرنے کا عظیم مقصد۔

بزرگواور دوستو واسلامی بھائیو! لیکن جہاں اس روزہ کے اتنے زیادہ فضائل اور ثواب ہیں، وہیں اس روزہ کوان ساری چیزوں سے بچانے اور حفاظت کرنے کا بھی حکم ہے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔جس طرح سے ایک نمازی تکبیر تحریمہ سے لیکر سلام پھیرنے تک نماز کی حالت میں ہوتا ہے۔اوراس دوران وہ ان تمام چیزوں سے بچتا ہے جن سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔مثلاً ناپا کی، کسی سے ہم کلام ہونا، وضوء کا ٹوٹ جانا، ادھرادھر متوجہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔اسی طرح ایک روزہ دار صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک عبادت کی حالت میں ہوتا ہے۔لہٰذا اسے بھی ان تمام چیزوں سے بچنے کی اشد ضرورت ہے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔لیکن لوگ اس طرف دھیان نہیں دیتے۔دن بھر بھوکے پیاسے تو رہ جاتے ہیں لیکن غیبت، چغلی، جھوٹ، گانا بجانا، لڑائی جھگڑا، فحش کلامی اور فرائض سے بے توجہی سے باز نہیں آتے اور دیگر ایام کی طرح روزہ کی حالت میں بھی اس کے یہ مرغوب اعمال بدستور جاری رہتے ہیں۔ایسے ہی لوگوں کے بارے میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے

﴿کم من صائم لیس من صیامه الا الظمأ﴾ (۱۴)

کتنے روزہ دار ایسے ہیں جنہیں روزہ سے بھوک و پیاس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا اور پھر

---

(۱۳) صحیح سنن ابن ماجہ للالبانی ج۱، رقم الحدیث ۱۳۳۳، (۱۴) مسند احمد ج۲، ص ۴۱۱ والدارمی فی الرقاق بسند جید،

آپ نے ان اعمال کی طرف اشارہ بھی کیا جن سے روزہ کی روح نکل جاتی ہے۔فرمایا

﴿من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة فى ان يدع طعامه و شرابه﴾(۱۵)

کہ جولوگ جھوٹی باتیں کہنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑیں تو ان کے کھانا پینا چھوڑنے کی اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں ۔اس کی مثال تو اسی شخص کے جیسے ہی ہوگی کہ جس کے ایک ہاتھ میں پانی کا برتن ہو جس سے کسی پودے کو سینچ رہا ہو اور دوسرے ہاتھ میں کلہاڑی ہو جس سے اس کی جڑ کاٹ رہا ہو۔اسی لئے نبی ﷺ نے روزہ داروں کو ان لغویات سے بچنے کی تاکید کی اور فرمایا

﴿فان كان يوم صوم احدكم فلا يرفث يومئذ و لا يسخب فان سابه احد اوقاتله فليقل انى امرأ صائمٌ﴾(۱۶)

کہ جب تم میں سے کوئی روزہ سے ہو تو وہ نہ بدکلامی کرے، نہ غل مچائے اگر کوئی اس سے گالی گلوچ کرے یا لڑائی جھگڑا کرنا چاہے تو وہ کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں ۔یعنی ایک روزہ دار صرف کھانے پینے سے ہی روزہ دار نہیں ہوتا بلکہ دست و پا، کام و دہن، چشم و گوش الغرض اس کا ہر ہر عضو روزہ سے ہوتا ہے اور اس کے چہرے پر تقویٰ کا نور جھلکتا ہے۔نیز دل کے اندر اخلاص وللّٰہیت جاگزیں ہو جاتے ہیں اور سعادت مندی کا ذریعہ بنتے ہیں ۔پس ہمیں اس کیفیت سے بچنا چاہئے کہ شاعر کا یہ شعر صادق آئے ۔

نماز وروزہ وقربانی وحج
یہ سب باقی ہے تو باقی نہیں ہے

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ہم تمام مسلمانوں کو حقیقی روزہ دار بنائے اور ہمارے جملہ عبادات کو شرف قبولیت سے نوازے۔آمین تقبل یارب العالمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

---

(۱۵) صحیح بخاری ج۱،ص۲۵۵، (۱۶) صحیح مسلم ج۱،ص۳۶۳

خطبة ثانية:۔

ان الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنامن يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له واشهدان لا اله الاالله وحده لا شريک له واشهدان محمداعبده ورسوله امابعد

﴿ان الله وملائكته يصلون على النبى يا ايهاالذين آمنو اصلو اعليه وسلمو اتسليما﴾

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انک حميد مجيد، اللهم بارک على محمد وعلى آل محمد كمابارکت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انک حميد مجيد.

عبادالله رحمكم الله ان الله يأمر بالعدل والاحسان وايتاء ذى القربى وينهى عن الفحشاء والمنكروالبغى يعظكم لعلكم تذكرون فاذكروا الله يذكركم وادعوه يستجب لكم ولذكرالله تعالىٰ اعلى واعزواجل واتم واكبر والله يعلم ما تصنعون

خطبۂ عید الفطر

ان الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلل فلا هادى له و أشهدان لا اله الا الله وحده لا شريک له و أشهدان محمد اعبده و رسوله امابعد. فان اصدق الحديث كتاب الله و احسن الهدى هدى محمد ﷺ و شرالا مور محد ثاتها و كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة و كل ضلالة فى النار

فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم

﴿ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات لهم جنات تجرى من تحتها الانهار ذلک الفوز الكبير﴾ (۱)

وقال النبى ﷺ ﴿ان لكل قوم عيد اوهذا عيدنا﴾ (۲)

برادران قوم وملت بزرگو اور دوستو واسلامی بھائیو!

اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں ایک مہتم بالشان فریضہ کی ادائیگی کے بعد آج اس عید گاہ میں یکجا اور اکٹھا ہونے کیلئے یہ مبارک ساعت مرحمت فرمائی اور ہمارے لئے عید الفطر جیسی مبارک اور پاکیزہ تہوار کو مشروع قرار دیا۔ آج کا دن عالم اسلام میں مسرت وشادمانی، کیف وسرور اور خوشی کا دن ہے۔ لوگ ایک دوسرے کو عید کی مبارکبادیاں پیش کرتے ہیں اور خوشی مناتے ہیں۔ دراصل یہ دن ان لوگوں کے خوش ہونے کا ہے جنہوں نے مسلسل ایک مہینہ تک رمضان المبارک کا روزہ رکھا۔ اس کی سعادتوں و برکتوں کو سمیٹنے میں اپنے آپ کو مشغول و منہمک رکھا، اس کے تقاضوں کو پورا کیا اور اس ایک مہینہ کی ٹریننگ سے اپنے اندر تقوی شعاری کا جذبہ پیدا کرنے اور رب کی رضامندی و

(۱) سورۃ البروج۔۱۱،   (۲) صحیح البخاری ج۱،ص۱۳۰، باب سنۃ العیدین لاہل الاسلام،

خوشنودی حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ کیونکہ حقیقی معنوں میں رب کی رضا کی خاطر روزہ رکھنے والوں کیلئے نبی کریم ﷺ نے یہ مژدۂ جانفزا سنایا ہے

﴿من صام رمضان ایماناً و احتساباً غفرله ماتقدم من ذنبه﴾ (۳)

کہ جس نے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے ثواب کی نیت سے ماہ رمضان کا روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ نیز جنت کا ایک دروازہ ''باب الریان'' ان کے لئے خاص کر دیتا ہے۔

برادران اسلام! آج کا دن خوشی کا دن ہے جس کے اظہار کا بھی نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے کہ تمام لوگ عید گاہ جانے سے پہلے غسل کر کے حسب توفیق اچھے سے اچھا کپڑا زیب تن کریں، خوشبو لگائیں اور طاق کھجوریں کھا کر عید گاہ جائیں۔ نیز اس خوشی کو اپنے گھر کی چہار دیواری تک ہی محدود نہ رکھیں بلکہ فقراء ومساکین کا بھی اس خوشی کے موقع پر خاص خیال رکھیں۔ رمضان المبارک کے ایک مہینہ کی ٹریننگ سے ہم نے جو ہمدردی، غمخواری وغم گساری اور غریب پروری کا درس سیکھا، بھوک و پیاس کی شدت کا احساس کیا۔ آج کے دن اس کا عملی نمونہ پیش کریں اور انھیں بھی اپنی اس خوشی میں شامل کریں۔ اسلام کی یہ خوبی ہے کہ اس نے ہر ایسے موقع پر غریبوں اور ناداروں کا خاص خیال رکھا ہے۔ اور انہیں بھی لوگوں کے ساتھ عید الفطر کی اس بے پناہ خوشی میں شامل کرنے کا بندوبست کیا ہے کہ ہر وہ مسلمان جس کے پاس عید کے دن کی خوراک سے زائد اتنا غلہ موجود ہو جس سے وہ تمام اہل خانہ کی جانب سے صدقۂ فطر ادا کر سکے وہ ضرور بالضرور اسے ادا کرے تاکہ معاشرہ کے کمزور ونادار طبقہ کو خوشی کے اس دن شکم سیری کے لئے دوسروں کے سامنے دست طلب دراز کرنے کی نوبت نہ پیش آئے اور وہ معاشرہ میں اپنے آپ کو الگ اور تنہا محسوس نہ کرے۔

برادران قوم وملت! میں اب آپ لوگوں کے سامنے اس بات کو بھی بیان کر دینا ضروری اور مناسب سمجھتا ہوں کہ امت محمدیہ کے اندر اس عید کی ابتدا کس طرح ہوئی؟ حضرت

---

(۳) صحیح البخاری ج۱،ص۱۰، باب صوم رمضان احتساباً من الایمان

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ اور آپ کے ساتھی جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو دیکھا کہ اہل مدینہ نے اپنے لئے دو دن خاص کرر کھے ہیں۔ جن میں وہ خوشی مناتے اور کھیل کود کرتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ ﴿ماهذان اليومان ؟﴾ یہ دو دن کیسے ہیں جن میں تم خوشی مناتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ﴿كنا نلعب فی الجاهليه﴾ زمانہ جاہلیت سے ہم ان دو دنوں میں خوشی مناتے اور کھیل کود کرتے چلے آرہے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے اپنے جاں نثاروں سے فرمایا کہ

﴿ان الله قد ابدلكم بهما خيراً منها يوم الاضحى ويوم الفطر﴾ (۴)

کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ان دو دنوں کو تمہارے لئے ان سے بہتر دو دنوں سے بدل دیا ہے اور وہ دو دن عید الاضحیٰ و عید الفطر کے دن ہیں۔ یہیں سے عالم اسلام میں اس دن کے خوشی منانے کی ابتدا ہوتی ہے اور مسلمان ہر سال ان دو دنوں میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کے اظہار میں خوشیاں مناتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ﴿ان لكل قوم عيداً و هذا عيدنا﴾ (۵) ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے، ہمارے خوشی منانے کا دن ہے۔ جو کہ ہر قوم کی عید سے ممتاز اور نرالی شان والی ہے۔ دوسروں کی عیدوں اور تہواروں مثلاً ہولی ، دیوالی، دسہرہ، کرسمس، گڈ فرائڈے، بیساکھی، رام نومی، شیوراتری وغیرہ وغیرہ میں برائی ، بے پردگی، بے حیائی، شراب نوشی، قمار بازی وغیرہ اخلاقی مفاسد کی جو آبیاری ہوتی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ لیکن اسلامی عید کی شان ہی نرالی ہے کہ مسلمان صبح سویرے غسل کرے، خوشبو لگائے، پھلوں میں سے سب سے لذیذ اور عمدہ پھل کھجور کھا کر عید گاہ کی جانب روانہ ہوں، دل ہر طرح کی آلائشوں اور نفرت و عداوت سے پاک ہو اور زبان پر لہو ولعب اور فضول باتوں کی جگہ رب کی وحدت و کبریائی کا یہ ترانہ ہو

---

(۴) ابوداؤد ج ۱، ص ۱۶۱، باب صلاۃ العیدین،

(۵) صحیح البخاری ج ۱، ص ۱۳۰، باب سنۃ العیدین لاہل الاسلام

﴿اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد﴾(٦)

عورتیں بھی عید گاہ جائیں تو نہایت پردہ کے ساتھ بغیر خوشبو لگائے ہوئے جائیں۔تاکہ غیر مرد کی نگاہ اور میلان ان کی طرف نہ ہو۔اگر کسی کے پاس پردہ کرنے کیلئے اوڑھنی نہ ہوتو دوسری عورت سے ادھار لیکر عیدگاہ جائیں۔یہ ہے دوسروں کی عید اور مسلمانوں کی عید میں نمایاں فرق۔

محترم حاضرین ! اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے دو سالانہ عیدیں ''عیدالاضحیٰ'' و ''عیدالفطر'' اور ایک ہفتہ واری عید ''یوم جمعہ'' کومشروع قرار دیا ہے۔لیکن آج ہم مغربی تہذیب وثقافت کی تقلید میں اس قدر فریفتہ ہیں، غیر مسلموں کی نقالی میں اس قدر مست ہیں۔اور کفار کی مشابہت اختیار کرنے میں اس قدر پیش پیش ہیں کہ آج ہمارے معاشرے میں ان اسلامی عیدوں کی جگہ متعدد غیر اسلامی عیدوں نے لے لی ہیں۔حالانکہ آپ ﷺ کا فرمان ہمارے سامنے موجود ہے﴿من تشبہ بقوم فھو منھم﴾(٧) جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ ان میں سے ہوگیا۔

مگر افسوس صد افسوس کہ غیر مسلمین کی مشابہت میں آج کا مسلمان اپنے معاشرے میں ''برتھ ڈے''، ''میریج اینورسری''، ''فرسٹ جنوری''، ''عید میلاد النبی''، ''شب برأت''، ''سلور جُبلی''، ''گولڈن جبلی''، ''پلیٹینم جبلی''، ''جنم اشٹمی''، ''برس گانٹھ''، ''جینتی'' وغیرہ وغیرہ متعدد بدعی عیدیں ایجاد کر چکا ہے اور اسے اپنا شعار سمجھ رہا ہے۔جن کی اسلامی معاشرے میں کوئی جگہ نہیں۔یہ یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کی ایجاد کردہ عیدیں وجشن ہیں جن کی اسلام سختی سے مخالفت کرتا ہے۔آپ ﷺ، خلفاء راشدین اور صحابۂ کرام کی پوری تاریخ ہمارے سامنے موجود ہے لیکن کہیں پہ نظر نہیں آتا کہ کسی نے اپنی برتھ ڈے یا شادی کی سالگرہ منائی ہو، آپ ﷺ کی زندگی میں غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو عظیم کامیابی ملی، مکہ فتح ہوا لیکن

---

(٦) دار قطنی ص ١٨٢،

(٧) مسند احمد ج ٢ ص ٥٠، ٩٢، ابوداؤد کتاب اللباس باب فی لبس الشہرہ، ص ٥٥٩، صحیح الجامع الصغیر للالبانی ٢٨٣١

پوری اسلامی تاریخ کا مطالعہ کر جایئے کہیں پر آپ کو یہ نظر نہیں آئیگا کہ مسلمانوں نے ان کی ''برس گانٹھ''، ''سِلور جُبلی''، ''گولڈن جبلی'' یا ''پلیٹینم جبلی'' منائی ہو۔ یہ یہودیوں اور کفار کی ایجاد کردہ تقریبات ہیں اور ان کی عیدیں ہیں۔ جن سے دور رہنے کی اسلام سختی سے تاکید کرتا ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''اقتضاء الصراط المستقیم'' میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں

﴿من بنی ببلاد الاعاجم وصنع نیروزھم و مھر جانھم و تشبہ بھم حتی یموت و ھو کذلک حُشِرَ معھم یوم القیامۃ﴾(۸)

''جس نے مشرکین کے ملک میں اپنی رہائش اختیار کی اور ان کے تہوار ''نیروز'' اور ''مہرجان'' کو منایا اور ان سے مشابہت اختیار کی اور اسی حالت میں اسے موت آگئی تو اس کا حشر قیامت میں انہیں کے ساتھ ہوگا''۔ نیز رسول اکرم ﷺ نے بھی مشرکین کی عیدوں اور ان کے تہواروں سے دور رہنے کی سختی سے تاکید کی ہے اور

﴿قد ابد لکم اللہ بھما خیراً منھا یوم الاضحی و یوم الفطر﴾(۹) اور

﴿ان لکل قوم عید او ھذا عیدنا﴾(۱۰)

کہہ کر قیامت تک بس عید الاضحیٰ و عید الفطر کو مسلمانوں کے لئے مشروع قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ الہ العالمین تو ہمیں تشبہ بالکفار سے محفوظ رکھ، ہماری ایک مہینہ کی جانفشانی کو قبول فرما۔ ہمارے دلوں کے اندر خلوص پیدا کر اور ہم سے روزے کی حالت میں جو غلطیاں سرزد ہوگئیں یا ہمارے روزے کے اندر جو خامیاں رہ گئیں پروردگارا! تو انہیں اپنے دامن عفو میں جگہ دیکر ہماری مغفرت فرما۔ آمین تقبل یارب العالمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

---

(۸) اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ ''فصل: فی اجتناب اعیاد اعداء اللہ''

(۹) ابوداؤد ج۱، ص۱۶۱، باب صلاۃ العیدین

(۱۰) صحیح البخاری ج۱، ص۱۳۰، باب سنۃ العیدین لاہل الاسلام

خطبة عيد الأضحى

ان الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده وأشهدان لااله الاالله وحده لاشريك له وأشهد ان محمد اعبده ورسوله اما بعد

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمٰن الرحيم

﴿لن ينال الله لحومها ولا دماءها ولكن يناله التقوى منكم﴾

(سوره حج.٣٧)

وقال النبي ﷺ ﴿من كان له سعةولم يُضحّ فلايقربَنَّ مُصلّانا﴾

(رواه ابن ماجه والحاكم وصححه الالباني فى الجامع الصغير، ص ١١٠٦، رقم الحديث ٦٤٩٠)

برادران قوم وملت! حاضرین مجلس، محترم بزرگواور دوستو واسلامی بھائیو! آج ہم اللہ تعالیٰ کے ایک جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی یاد زندہ اور تازہ کرنے کی خاطر اس میدان میں دو رکعت نماز ادا کرنے کیلئے حاضر ہوئے ہیں۔ امت محمدیہ کے اندر رائج حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی بہت ساری سنتوں میں سے ایک مشہور سنت ''قربانی'' ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا تک امت مسلمہ کیلئے مسنون ومشروع قرار دیا ہے۔ حضرت ابرھیم علیہ السلام ان انبیاء کرام میں سے ہیں جن کے تذکرے سے پورا قرآن بھرا پڑا ہے اور جنہیں اولوالعزم من الرسل کی فہرست میں حضرت نوح، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ شامل ہونے کی سعادت حاصل ہے، جن کی قربت الٰہی کے بارے میں قرآن کا اعلان ہے

﴿واتخذ الله ابراهيم خليلا﴾ (۱)

کہ اللہ رب العزت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل اور اپنا دوست بنالیا۔ لیکن

---

(۱) سورۃ النساء۔ ۱۲۵،

آپ کواللہ تعالیٰ کی قربت اور یہ مقام خلت یونہی نصیب نہیں ہوئی بلکہ طرح طرح کی آزمائشیں، تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کیں، جان ومال کی قربانیاں پیش کیں، بہت سارے امتحانوں میں کامیاب ہوئے تب کہیں جا کر آپ کو یہ مقام ومرتبہ حاصل ہوا۔ چنانچہ ان امتحانوں اور آزمائشوں میں کامیابی کا آپ کو بہترین صلہ بھی ملا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کا امام اور پیشوا بنایا۔ ارشاد ربانی ہے

﴿واذابتلی ابراهيم ربه بكلمات فاتمهن قال انى جاعلك للناس اماما﴾ (۲)

کہ جب حضرت ابراھیم علیہ السلام نے تمام امتحانوں میں کامیابی حاصل کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ اے ابراھیم میں تمہیں لوگوں کا پیشوا اور امام بنانے والا ہوں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کی ملت یعنی حنیفیت کو مسلمانوں کیلئے آئیڈیل اور نمونہ بنایا۔ ارشاد خداوندی ہے

﴿ومن يرغب عن ملة ابراهيم الامن سفه نفسه ولقد اصطفيناه فى الدنياوانه فى الآخرة لمن الصالحين﴾ (۳)

کہ کوئی بے وقوف ہی ابراھیم علیہ السلام سے بے رغبتی کریگا ہم نے انہیں دنیا میں چن لیا اور آخرت میں بھی ان کا شمار نیکوکاروں میں سے ہوگا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے

﴿قد كانت لكم اسوة حسنة فى ابراهيم والذين معه﴾ (۴)

کہ ابراھیم اور ان کے ساتھیوں کی حیات مبارکہ تمہارے لئے اسوہ، آدرش اور نمونہ ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراھیم علیہ الصلاۃ والسلام کی بہت ساری سنتوں کو امت محمدیہ کے اندر بھی مشروع قرار دیا ہے۔ مثلاً ختنہ، قربانی، رمی جمار اور حج کے اکثر ارکان وغیرہ وغیرہ۔ نیز نمازوں کے اندر تشہد میں ہم جو درود شریف پڑھتے ہیں اس میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ حضرت ابراھیم علیہ السلام کا بھی تذکرہ ہے اور آپ کے ساتھ ان

---

(۲) سورۃ البقرہ۔۱۲۴، (۳) سورۃ البقرہ۔۱۳۰، (۴) سورہ ممتحنہ۔۴

کیلئے بھی رحمت کی دعاء کی جاتی ہے۔الغرض آپ کی فضیلتیں اور آپ کے مناقب لاتعداد اور بے شمار ہیں۔ ذرا سوچنے والی بات ہے کہ آخر کیا ہے آپ کی سوانح؟ اور کیا ہے وہ کارہائے نمایاں جن کے بارے میں کہا جارہا ہے

﴿ ولقد اصطفیناه في الدنیا﴾ اور ﴿قد کانت لکم اسوة حسنة فی ابراھیم﴾

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی سوانح حیات اور آپ کے حالات زندگی مختصراً آپ کے سامنے بیان کردیا جائے۔

محترم بزرگو اور دوستو واسلامی بھائیو! حضرت ابراھیم علیہ الصلاۃ والتسلیم ایک بت گر اور صنم پرست وصنم فروش کے گھر پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے باپ کو بت بناتے اور ان کو پوجتے ہوئے دیکھتے رہے۔اور ہر باپ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کا بیٹا بڑا ہوکر ان کے کام میں ان کا ہاتھ بٹائے اور مرنے کے بعد ان کا سچا جانشین بنے۔یہی آرزو اور تمنا حضرت ابراھیم کے والد آزر کی بھی تھی لیکن اس کے برعکس جب حضرت ابراھیم علیہ السلام اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کے سامنے لوگوں کو ماتھا ٹیکتے ہوئے دیکھتے تو انہیں بڑا تعجب ہوتا کہ آخر یہ کیسے معبود ہیں جو چل پھر نہیں سکتے ،کھا پی نہیں سکتے ، کھانا ان کے سامنے رکھا ہوا ہے جسے مکھیاں اور کتے کھا رہے ہیں ان کے اندر تو ان مکھیوں اور کتوں تک کو بھگانے کی طاقت نہیں۔آخر یہ دوسروں کو کیا نفع ونقصان پہنچائیں گے جن کے پاس خود اپنی ذات کے اوپر آنے والی مصیبتوں کو دور کرنے کی طاقت نہیں ۔نہیں یہ ہرگز معبود نہیں ہوسکتے۔انہیں باتوں کی نصیحت حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کی اور انہیں بہت سمجھایا

﴿یا ابت لم تعبد مالا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنک شیئا﴾(۵)

اے اباجان آخر آپ ان بتوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اور اگر آپ کسی مصیبت میں ہوں تو نہ آپ کو اس مصیبت سے چھٹکارا دلا سکتے ہیں؟

---

(۵)سورہ مریم ۔۴۲۔

﴿یا ابت لا تعبد الشیطان ان الشیطان کان للرحمن عصیا﴾ (۶)

اے اباجان شیطان کی پرستش نہ کیجئے شیطان تو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے۔ان باتوں اور نصیحتوں کا آپ کے والد آزر پر کچھ اثر نہ ہوا۔اسلئے آپ کو سختی سے ڈانٹ دیا

﴿أراغب انت عن الھتی یا ابراھیم لئن لم تنتہ لارجمنک واھجرنی ملیا﴾(۷)

اے ابراھیم کیا تو مجھے اپنے معبودوں سے پھیرنا چاہتا ہے،اب تک تو تو نے جو کہہ دیا، کہہ دیا اگر آئندہ پھر ایسی بات منہ سے نکالی تو سن لے پتھر سے مار مار کر گھر سے بھگا دوں گا۔لیکن حضرت ابراھیم کے دل میں توحید کا بیج پڑ چکا تھا بھلا ایک موحد ان گیدڑ بھبھکیوں سے کہاں ڈرنیوالا،فوراً جواب دیا

﴿سلام علیک ساستغفر لک ربی انہ کان بی حفیا﴾(۸)

ابو جان خدا حافظ ! آپ کو بھگانے کی ضرورت نہیں میں خود ہی آپ کے ان معبودوں کو چھوڑ کر جارہا ہوں۔لیکن آپ میرے والد ہیں،آپ نے میری پرورش کی ہے، میں اللہ رب العزت سے آپ کی مغفرت اور بخشش کیلئے دعاء کرتا رہونگا۔

برادران قوم وملت !اب حضرت ابراھیم علیہ السلام لوگوں میں موضوع گفتگو بنتے جا رہے ہیں۔ایک موحد اور بتوں کے مخالف کے طور پر آپ کی پہچان بن رہی ہے اور آپ کا عقیدہ لوگوں میں

﴿انی و جھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفاً وما انا من المشرکین﴾(۹)

کے طور پر مشہور ہونے لگا ہے۔ایسے حالات میں ایک واقعہ پیش آتا ہے۔میلے اور عید کا دن ہے،لوگ سج دھج کر میلے میں جارہے ہیں،آپ کو بھی دعوت سخن دی جاتی ہے۔لیکن بیماری کا بہانہ بنا کر انہیں ٹال جاتے ہیں اور جب سب میلے میں چلے جاتے ہیں تو ایک کلہاڑی

---

(۶)سورہ مریم۔۴۴، (۷)سورہ مریم۔۴۶، (۸)سورہ مریم۔۴۷، (۹)سورہ انعام۔۸۰

لیکر صنم خانے پہنچتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ بتوں کے آگے کھانا رکھا ہوا ہے جنہیں مکھیاں کھا رہی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان بتوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں ﴿الا تأ کلون﴾ (۱۰) اے کھاتے کیوں نہیں! کھاؤ ﴿مالکم لاتنطقون﴾ (۱۱) اے تمہیں کیا ہو گیا ہے بولتے کیوں نہیں؟ جب ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام طیش میں آ کر سب کو مسمار اور نیست و نابود کر ڈالتے ہیں اور سب سے بڑے بت کے کندھے پر کلہاڑی کو لٹکا کر واپس لوٹ آتے ہیں۔ میلے سے واپسی پر جب لوگ اپنے معبودوں کی یہ حالت زار دیکھتے ہیں تو غصہ سے پھٹ پڑتے ہیں اور آپس میں کہتے ہیں

﴿من فعل هذا بالهتنا﴾ (۱۲) کس کی ہمت ہوئی ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ نازیبا حرکت کرنے کی لوگوں نے جواب دیا

﴿سمعنا فتى يذكرهم يقال له ابراهيم﴾ (۱۳)

ابراہیم نام کے ایک شخص کو ہم اپنے ان معبودوں کی عیب جوئی اور نکتہ چینی کرتے ہوئے دیکھتے تھے۔ ہو نہ ہو یہ اسی کا کام ہے

﴿فأتوا به على اعين الناس لعلهم يشهدون﴾ (۱۴) اسے لوگوں کے سامنے کھلے میدان میں حاضر کیا جائے تا کہ سب اس کا عبرت ناک انجام دیکھ لیں۔ حکم ملنا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لایا گیا، سوال ہوا

﴿أأنت فعلت هذا بالهتنا يا ابراهيم﴾ (۱۵) اے ابراہیم ہمارے معبودوں کی یہ حالت کیا تم ہی نے کی ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو موقع مل گیا آپ تو ایسے کسی موقع کی ہی تلاش میں رہتے تھے بے باکی سے جواب دیا ﴿بل فعله كبيرهم﴾ یہ کام تو اسی بڑے بت کی ہے جس کے کندھے پر کلہاڑی لٹکی ہوئی ہے، اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں تو ﴿فاسئلوهم ان كانوا ينطقون﴾ (۱۶) انہیں سے پوچھ لو اگر کچھ کہنے کی

---

(۱۰) سورہ صافات۔ ۹۱، (۱۱) سورہ صافات۔ ۹۲، (۱۲) سورہ انبیاء۔ ۵۹، (۱۳) سورہ انبیاء۔ ۶۰،
(۱۴) سورہ انبیاء۔ ۶۱، (۱۵) سورہ انبیاء۔ ۶۲، (۱۶) سورہ انبیاء۔ ۶۳،

صلاحیت ہو گی تو وہی خود جواب دیدیں گے۔ اس مبنی برحقیقت چبھتے ہوئے جواب سے خود بخود مارے شرم کے ان سب کی نظریں جھک گئیں۔ اور جب کوئی معقول جواب نہ بن پڑا تو پکار اٹھے ﴿حرقوه وانصروا الهتكم﴾ (۱۷) اپنے معبودوں کی مدافعت کیلئے اٹھو اور ابراہیم کو جلا ڈالو! پھر آپ کو زندہ جلانے کیلئے لکڑیاں اکٹھا کی گئیں، آگ جلائی گئی اور جلتے ہوئے آگ میں آپ کو ڈال دیا گیا۔ آپ کا توکل اللہ رب العلمین پر تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ اصول ہے ﴿ومن يتوكل على الله فهو حسبه﴾ (۱۸)

جس کا یقین اور بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہو تو اللہ ایسے لوگوں کی مدد کیلئے کافی ہے۔ عرش والے کی طرف سے آگ کو حکم ہوتا ہے

﴿ینار كونی بردا وسلاما على ابراهيم﴾ (۱۹) اے آگ تو ابراہیم کیلئے ٹھنڈی اور سلامت والی بن جا۔ لوگوں کا باہر سے خیال ہے کہ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھلسا رہی ہے۔ جبکہ واقعۃً وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے گل گلزار بنی ہوئی ہے۔ کسی شاعر نے کیا ہی خوب نقشہ کھینچا ہے۔

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

محترم سامعین! جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں کی جانب سے صرف مایوسی ہاتھ لگی اور آپ کی تبلیغ کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا، نیز وہاں رہ کر دین و ایمان پر قائم رہنا مشکل ہو گیا تو تبلیغ دین کیلئے مصر کی جانب ہجرت فرمالی۔ اس وقت آپ اپنی عمر کے آخری پڑاؤ پر ہیں۔ لیکن آپ کے یہاں آپ کے بعد اس دعوتی و تبلیغی مشن کو آگے چلانے والا کوئی وارث نہیں۔ عمر بڑھاپے کو پہنچ چکی ہے، بچہ پیدا ہونے کی کوئی امید بھی نہیں ہے، لیکن پھر بھی رحمت الٰہی سے ناامید نہیں ہوتے۔ ۸۰ سال کی عمر میں رب کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں ﴿رب هب لي من الصالحين﴾ (۲۰) اے اللہ تو مجھے ایک نیک لڑکا عطا فرما۔ اور

---

(۱۷) سورہ انبیاء۔ ۶۸، (۱۸) سورہ طلاق۔ ۳، (۱۹) سورہ انبیاء۔ ۶۹، (۲۰) سورہ صافات۔ ۱۰۰،

جا رہے ہیں؟ اپنے گمان کے مطابق اللہ کے حکم سے وہ تمہیں ذبح کرنے کیلئے لے جا رہے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام جواب دیتے ہیں کہ اگر یہ اللہ کا حکم ہوا تو انہیں ضرور اسے بجا لانا چاہئے، اور انہیں سات کنکریاں مارتے ہیں۔ یہاں سے بھی ناکام ہو کر اب آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچتا ہے اور انہیں بہکانے کی کوشش کرتا ہے کہ اے ابراہیم کیا کرنے جا رہے ہو؟ بھلا کوئی باپ بھی اللہ کے حکم سے اپنے بیٹے کو ایسے قتل کرتا ہے۔ ابھی بھی وقت ہے رک جاؤ! حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ جاتے ہیں کہ یہ شیطان مردود ہے پس اسے دھتکارتے ہیں۔ اور سات کنکریاں مارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ماں باپ اور بیٹے کا یہ عمل اتنا پسند آیا، اتنا پسند آیا کہ قیامت تک کیلئے حاجیوں پر اس عمل کو ضروری قرار دے دیا اور آج بھی حاجیوں کو ''رمی جمار'' کرنی پڑتی ہے۔

محترم حاضرین! اب حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام منیٰ کے میدان میں پہنچ چکے ہیں۔ پوری دنیا حیران ہے کہ کیا ہونے جا رہا ہے؟ حضرت ابراہیم اپنے لخت جگر و نور نظر کو خواب کا واقعہ کہہ سناتے ہیں

﴿یبنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ما ذا تری﴾ (۲۲)

بیٹے میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اچھی طرح سوچ لو اس میں تمہاری کیا رائے ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے ''غلام حلیم'' کا خطاب عطا کیا ہے اچھی طرح معلوم تھا کہ میرے والد نبی ہیں اور نبی کا خواب سچا اور وحی ہوتا ہے۔ نہایت بردباری اور اطمینان سے جواب دیا

﴿یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین﴾ (۲۳)

ابا جان میری کیا رائے پوچھتے ہیں آپ کو اپنے رب کی طرف سے جو حکم ملا ہے فوراً اس کو بجا لائیے اور جہاں تک میری بات ہے تو ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ حضرت ابراہیم بیٹے کے اس جواب سے نہایت خوش ہوئے اور انہیں دعائیں دیں کہ تو میرے کام

(۲۲) سورہ صافات۔۱۰۲،   (۲۳) سورہ صافات۔۱۰۲،

میں میرا کتنا بڑا معاون ہے۔ پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا ابا جان! آپ میرے ہاتھ پیر اچھی طرح باندھ دیجئے ایسا نہ ہو کہ ذبح کے وقت میں تڑپوں اور آپ کو ہاتھ پیر لگ جائیں جس سے بے ادبی ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کے ہاتھ پیر باندھنے کے بعد اپنی آنکھوں پر بھی پٹی باندھ لی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ذبح کرتے وقت نظر پڑ جائے اور بیٹے کی محبت جاگ اٹھے جس سے ذبح نہ کرسکوں اور حکم خداوندی کی تعمیل نہ ہو سکے۔ جب باپ بیٹے پوری طرح تیار ہو چکے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کے گردن پر چھری رکھدی، ایک عجیب سا منظر تھا جسے دنیا نے آج سے پہلے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا کہ کوئی باپ اللہ کی محبت میں اتنی بڑی قربانی بھی پیش کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو امتحان مقصود تھا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جان مطلوب نہ تھی۔ جب ذبح سے فارغ ہوئے تو دیکھتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پاس کھڑے ہیں اور ان کی جگہ ایک دنبہ ذبح ہوا پڑا ہے۔ قرآن کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آتی ہے

﴿ونادینا ہ ان یا ابراھیم قد صدقت الرؤیاانا کذلک نجزی المحسنین﴾ (۲۴)

اے ابراہیم تو نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا ہم اپنے نیک بندوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ ﴿ان ھذا لھو البلاء المبین﴾ (۲۵)

یہ تو کھلا ہوا واضح امتحان تھا جس میں تم نے بحسن وخوبی کامیابی حاصل کی۔

﴿وفدینا ہ بذبح عظیم﴾ (۲۶)

اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلے دیدیا۔

﴿وترکنا علیه فی الآ خرین ﴾ (۲۷)

اور ہم تمہارے اس ''قربانی'' سے اس قدر خوش ہوئے ہیں کہ اسے قیامت تک امت مسلمہ کے اندر باقی رکھنے کا اعلان کرتے ہیں۔

---

(۲۴) سورہ صافات۔۱۰۴، (۲۵) سورہ صافات۔۱۰۶، (۲۶) سورہ صافات، ۱۰۷، (۲۷) سورہ صافات۔۱۰۸

برادران قوم وملت! یہی وہ ''قربانی'' ہے جسے آج آپ اور ہم منا رہے ہیں جو کہ ہمارامخصوص اسلامی شعار ہے۔آج ہم سے بیٹے کی قربانی مطلوب نہیں ہے بلکہ جانور کی قربانی کواللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر مسنون قرار دیا ہے۔لیکن اس قربانی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ وپرہیز گاری ہے۔اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے

﴿لن ینال الله لحومها ولا دماء ها ولکن یناله التقویٰ منکم﴾

قربانی کا گوشت اور خون اللہ تعالیٰ کے پاس نہیں پہنچتا صرف تمہاری تقویٰ وپرہیز گاری ہی اس کے یہاں پہنچتی ہے۔لہذا ہمیں نہایت اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ اچھے سے اچھا دانتا ہوا جانور جو ہر قسم کے عیوب ونقائص سے پاک ہو،قربانی کرنی چاہئے۔نیز قربانی ایک خوشی کا موقعہ ہے لہذا ہمیں اس خوشی کو اپنے گھر کی چہار دیواری تک محدود رکھنے کے بجائے فقراء ومساکین اور دوست واحباب تک بھی پہنچانا چاہئے اور قربانی کے گوشت کو صرف خود نہ کھا کر انہیں بھی دینے کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے

﴿فاذا وجبت جنوبها فکلوا منها واطعموا القانع والمعتر﴾(۲۸)

جب قربانی کا گوشت ہو جائے تو اس میں سے خود کھاؤ، دوست واحباب کو جو تمہارے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے انہیں کھلاؤ اور تنگ دست فقیروں کو بھی۔لہٰذا ہمیں ان امور کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس ''قربانی'' کو قبول فرمائے۔

آمین وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

❖❖❖

(۲۸)سورہ حج۔ ۳۶،

یوم جمہوریہ

ان الحمد للہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وأشہدان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ وأشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ اما بعد

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

معزز ومکرم مشفق اساتذۂ کرام، مہمانان گرامی، محترم دوستو وحاضرین مجلس!

آج یوم جمہوریہ ہے اور اٹھاون سال قبل آج ہی کے دن ہندوستان کے ایک جمہوری ملک بننے کی یاد میں، پورا ہندوستان آج جشن جمہوریت منا رہا ہے۔

محترم دوستو! یوں تو ہمارے اسلاف کی بے شمار قربانیوں اور انتھک کاوشوں کے نتیجہ میں پندرہ اگست ۱۹۴۷ء کو ہی ہمارا ملک انگریزوں کے پنجۂ استبداد سے آزاد ہو چکا تھا۔ اور باشندگان ہند کو آزادی کی معطر فضا میں سانس لینے کی سعادت نصیب ہوگئی تھی، لیکن آزادی کا صحیح تصور اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ ایک آزاد شخص ہر قسم کی جائز آزادی سے ہمکنار نہ ہو۔ بالفاظ دیگر پندرہ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان تو آزاد ہو گیا لیکن ضرورت تھی کہ ہندوستان کے آزاد ہونے کے ساتھ ساتھ ہر ہندوستانی بھی آزاد ہو، وطن کی آزادی کے ساتھ ساتھ اہل وطن کو بھی ہر قسم کی جائز آزادی میسر ہو، کیونکہ کوئی بھی ملک اس وقت تک مکمل طور پر آزاد نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس میں جمہوریت کا قانون نافذ نہ ہو۔ باشندگان وطن کو ہر قسم کی مذہبی، فکری، علمی، اقتصادی ومعاشی آزادی میسر نہ ہو۔ اسی وجہ سے اکابرین وطن نے ملک کی آزادی کے بعد شدت سے اس کی ضرورت محسوس کی اور امن وآشتی کی خاطر ایک جمہوری نظام قائم کرنے کے لئے ڈاکٹر راجندر پرساد کی صدارت میں بھارتیہ سنگوِدھان وضع کرنے کا کام شروع کر دیا۔ اور ملک کے مشہور ماہر قانون ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کی بیش قیمت

اور خصوصی تعاون سے ۲۶ر نومبر ۱۹۴۹ء کو ہندوستانی جمہوری نظام مکمل تیار ہوگیا اور ۲۶ر جنوری ۱۹۵۰ء کو ہندوستان کے جمہوری آئین کا نفاذ عمل میں آیا۔ اس طرح ہندوستان ایک مکمل اختیار والی عوامی جمہوریہ بن گیا۔ اسی وقت سے ہم باشندگان ہند ہر سال ۲۶ر جمہوریہ کو یوم جمہوریہ کی شکل میں مناتے چلے آرہے ہیں۔

محترم بزرگو اور دوستو! لیکن آج آپ کے سامنے ایک سوال رکھنا چاہتا ہوں کہ کیا یوم جمہوریہ کو جھنڈا پھہرا کر لڈو تقسیم کر دینا ہی جمہوریت کی بقا کی دلیل ہے؟ کیا آج بھی وہی جمہوریت قائم ہے جس کی بنیاد آج سے اٹھاون سال قبل ڈالی گئی تھی؟ تو اس کا مبنی برحق جواب ہوگا کہ نہیں بلکہ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ صرف ۲۶ر جنوری کو یوم جمہوریہ منالینا ہی جمہوریت کی دلیل اور علامت بن کر رہ گئی ہے۔ سیکولرزم اور جمہوریت کا ڈھنڈھورا پیٹنے والے جمہوریت کا خون کر کے ''بغل میں چھری منھ میں رام رام'' والی کہاوت کو چریتارتھ کر رہے ہیں۔ جمہوریت کا سب سے بڑا خون تو یہی ہے کہ تاریخ کے صفحات سے منظم سازش کے تحت مسلم مجاہدین آزادی کے نام کو مٹایا جا رہا ہے یا بالفاظ صحیح تر مٹا دیا گیا ہے اور موجودہ صورت حال یہ ہے کہ یوم آزادی اور یوم جمہوریہ کے موقع پر آپ کسی بھی اسکول اور کالج کا دورہ کر لیجئے ان موقعوں پر جن مجاہدین آزادی کو یاد کیا جاتا ہے اور جن کی جے جے کار ہوتی ہے ان میں آپ کو جہاں دسیوں غیر مسلم مجاہدین کا نام سنائی دیگا۔ وہیں صرف مولانا ابوالکلام آزاد جیسے اِکّے دُکّے مسلم مجاہدین ہی کا تذکرہ ہوگا اور وہ بھی با دل نخواستہ سب سے آخر میں۔ گویا کہ جنگ آزادی میں مسلمانوں کی شرکت پانچ دس پرسنٹ ہی ہے۔ کیا علماء صادقپور اور لاکھوں علماء اسلام کی قربانیاں رائیگاں چلی گئیں؟ کیا یہی جمہوریت ہے کہ جنھوں نے سب سے بڑی تعداد میں اپنی قربانیاں پیش کیں آئندہ نسل کو ان کے نام کا پتہ تک نہ لگنے دیا جائے؟ اگر آپ کو یقین نہ ہو تو کسی بھی اسکولی چھاتر سے مسلم مجاہدین آزادی کے بارے میں پوچھ کر دیکھ لیجئے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ آپ کو پانچ سات سے زیادہ مسلم مجاہدین کا نام نہیں گنا سکتا۔

ہندی مسلمانو! جمہوریت کے خون کی یہ ایک ادنیٰ مثال ہے اس جیسی ہزاروں مثالیں آپ کو اپنے گردوپیش مل جائیں گے اور اس کی تازہ ترین مثال وندے ماترم کو قومی گیت کے روپ میں نافذ کرنے کی ناپاک حرکت ہے۔ایک طرف تو جمہوریت کا نعرہ لگایا جاتا ہے اور دوسری طرف مسلمانوں کو کلمہ کفر ادا کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔کیا یہی جمہوریت ہے؟ اگر اتنی ہی دیش پریمی کا خیال ہے تو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے تاریخی ترانہ ''سارے جہاں سے اچھا'' کو قومی ترانہ کے روپ میں کیوں قبول نہیں کیا جاتا؟ کیا صرف اسی وجہ سے کہ یہ ایک مسلمان کا لکھا ہوا ترانہ ہے؟

لیکن برادران وطن ہم سے چاہے جو بھی ناروا سلوک کرے ہمیشہ کی طرح ہماری زبان سے نکلے گا تو صرف یہی کہ

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایمان بالرسول اور اس کے تقاضے

ان الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبى بعده واشهد أن لا اله الاالله وحده لاشريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله. اما بعد:

فاعوذبالله من الشيطن الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم.

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ(۱)

وقال النبى صلى الله عليه وسلم (بنى الاسلام على خمسٍ شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله) إلى آخر الحديث. (۲)

لائق صد احترام، حکم صاحبان، مشفق اساتذۂ کرام، طلبہ جامعہ اور معزز و محترم دینی و اسلامی بھائیو! آج کی اس انجمن میں میرا موضوع سخن ہے ''ایمان بالرسول اور اس کے تقاضے''

محترم حاضرین! ایک انسان جس کلمہ کا اقرار کرنے کے بعد اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کا حقدار بنتا ہے وہ صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار ہے کسی بھی شخص کے مسلمان بننے کے لئے اسلام جس چیز کو اولین بنیادی شرط قرار دیتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان اللہ وحدہ لاشریک کی وحدانیت کے اقرار کے ساتھ ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آئے اور اس کے معنی ومفہوم کے مطابق اس کے تقاضوں کو بھی پورا کرے۔

آج کی اس مختصر سی تقریر کے اندر میں اس کلمہ کے دوسرے جزء ایمان بالرسول اور اس کے تقاضوں کو کتاب وسنت کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ وماتوفیقی الا باللہ۔

محترم سامعین! ایمان بالرسول کا معنیٰ ومفہوم اور اس کا اولین تقاضہ یہ ہے کہ فرمان الٰہی ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً﴾ (۳) کے ساتھ ساتھ ﴿مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ (۴) کے

مطابق آپ کو پوری امت کے لئے اللہ کی طرف سے بھیجا گیا آخری وسچا رسول تسلیم کیا جائے۔ اور آپ کی لائی ہوئی جملہ شریعت کا دل وزبان سے اقرار اور اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم اور ﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (۵) کی روشنی میں جملہ امور کے اندر آپ کی اطاعت واتباع کی جائے، آپ نے اُمَمِ سابقہ کے متعلق جو خبریں دی ہیں یا مستقبل میں واقع ہونے والی جو پیشن گوئیاں کی ہیں ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى﴾ (۶) کے مطابق ان کی حقانیت پر مکمل طور پر ایمان رکھا جائے۔ احکام ومسائل نے کلام الٰہی کے ساتھ آپ کے فرامین کو ہی ﴿فان تنازعتم في شي فَرُدُّوه إلى الله و الرسول﴾ کے مطابق مرجع و مصدر مانا جائے، اور کسی بھی معاملہ میں آپ کا فیصلہ وحکم آجانے کے بعد کسی اور کی رائے اور قیاس کی پرواہ کئے بغیر اس کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دیا جائے ورنہ قرآن تنبیہ کر رہا ہے ﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّىَ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيماً﴾ (۷)

معزز ومحترم حاضرین! آپ ﷺ پر ایمان۔ آپ کے اسوہ کی اتباع اور آپ کے احترام وتعظیم کی بہترین کسوٹی ہمارے سامنے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری زندگی ہے جن ایمان کے مثل ہم سے بھی ایمان لانے کا مطالبہ قرآن نے ان الفاظ میں کیا ہے ﴿فَإِنْ آمَنُواْ بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَواْ وَّإِن تَوَلَّوْاْ فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ﴾ (۸)

لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ہم ایمان بالرسول کے لئے ان نفوس قدسیہ کی زندگی کو ہی نمونہ بنائیں۔ اس لئے میں آپ کے سامنے مشتے نمونہ از خروارے چند واقعات کی طرف صرف اشارہ کر دینا چاہتا ہوں کہ انھوں نے کس حد تک آپ کے لئے جاں نثاری کی اور آپ کی ادنی خواہشات کی تکمیل کی خاطر اپنے ارمانوں کو کچل ڈالا۔ چنانچہ جنگ احد میں زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ کا آپ کی جان کو بچانے کی خاطر اپنے جسم پر ستر سے زائد زخم کھا کر شہید ہو جانا، وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کا اسلام لانے کے بعد صرف آپ کی خواہش کو عملی جامہ

پہنانے کی خاطر مدینہ ترک کردینا اور آپ کی وفات کے بعد مسئلہ خلافت میں اختلاف ہونے پر سقیفۂ بنی ساعدہ میں ابوبکر کے ذریعہ آپ کے صرف ایک فرمان (الائمة من قريش) (۹) کے پیش کردینے پر فرمان رسول کے سامنے آجانے کے بعد سب کا اس فرمان کے آگے اپنا سر تسلیم خم کردینا ایسی واضح اور روشن مثالیں جن سے ہمیں ایمان بالرسول کے تقاضے کا درس ملتا ہے۔

لیکن افسوس کہ آج کا مسلم طبقہ ایمان بالرسول کے ان تقاضوں کو بھلائے ہوئے تعلیمات نبوی سے منحرف ہوکر اپنے دین وایمان کے اندر اتنی بدعتیں ایجاد کرچکا ہے کہ الأمان والحفیظ! چاہے وہ حیات نبوی کا عقیدہ ہو یا آپ کے حاضر وناظر ہونے کا عقیدہ، آپ کے عالم الغیب ہونے کا عقیدہ ہو یا پھر انکار بشریت کا عقیدہ، شان رسالت میں حد درجہ غلو آمیزی ہو یا پھر اس کے برعکس توہین آمیزی۔ اور سب سے بڑھ کر قرآن وحدیث اور سنت میں تفریق پیدا کرا انکار حدیث کا چور دروازہ نکالنے کی جرأت آمیزی۔ یہ ایسی ناپاک حرکت ہے جسے قرآن نے منافقین کا شیوہ قرار دیا ہے ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْاْ إِلَى مَا أَنزَلَ اللّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا﴾ (۱۰)

لہٰذا ضرورت ہے کہ ہم ایمان بالرسالت کے دعوے کے بعد اس کے تقاضوں کو کما حقہ پورا کریں اور فداہ ابی وامی ﷺ کے فرمان (المرء مع من احب) کے مستحق قرار پائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والسلام عليكم ورحمة الله وبركاتهٗ

۱-سورۃ النساء/ ۵۹
۲-صحیح بخاری ج ۱، ص ۶
۳-سورۃ الاعراف/ ۱۵۸
۴-سورۃ الاحزاب/ ۴۰
۵-سورۃ آل عمران/ ۳۱
۶-سورۃ النجم/ ۳، ۴
۷-سورۃ النساء/ ۶۵
۸-سورۃ البقرۃ/ ۱۳۷
۹-مسند احمد بن حنبل ج ۳، ص ۱۸۳+ ۱۲۹، ج ۴، ص ۴۲۱
۱۰-سورۃ النساء/ ۶۱

ہماری چند اہم مطبوعات



SALFI DARUL ISHAAT
Delhi

Rs. :- 60/-